اُردو زبان میں اصول بلاغت کی آسان کتاب

البلاغۃ

مؤلفہ

مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری الہ آبادی

اُستاذ مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد

ناشر: مکتبہ عزیزیہ ۴۰۷ بخشی بازار۔ الہ آباد

نارج آفسٹ پریس الہ آباد میں طبع ہوئی

بار اول ۱۰۰۰ سنہ ۱۹۸۱ء قیمت: نو روپئے

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
تقریظ	۳
... ...	۵
مقدمہ	۷
عرض مؤلف	۱۰
فصاحت وبلاغت ...	۱۴
علم معانی	۲۱
بابِ اوّل۔اسناد خبری ...	″
بابِ دوم۔مسندالیہ ...	۲۶
بابِ سوم۔مسند ...	۴۸
باب چہارم۔متعلقاتِ فعل ...	۵۴
باب پنجم۔قصر ...	۵۹
باب ششم۔انشار ...	۶۴
باب ہفتم۔فصل و وصل ...	۷۲
باب ہشتم۔ایجاز، اطناب اور مساوات ...	۷۹
علم بیان	۹۱
تشبیہ	۹۲
تشبیہ کی پہلی تقسیم ...	۹۸
تشبیہ کی دوسری تقسیم	۱۰۱
تشبیہ کی تیسری تقسیم ...	۱۰۴
تشبیہ کی چوتھی تقسیم ...	۱۰۵
تشبیہ کی پانچویں تقسیم ...	۱۰۶
مجاز	۱۰۸
مجاز مرسل	″
استعارہ	۱۰۹
استعارہ کی پہلی تقسیم ...	″
استعارہ کی دوسری تقسیم ...	۱۱۱
استعارہ کی تیسری تقسیم ...	″
استعارہ کی چوتھی تقسیم ...	۱۱۲
استعارہ کی پانچویں تقسیم ...	۱۱۳
مجاز مرکب	۱۱۵
کنایہ	۱۱۷
علم بدیع	۱۲۰
محسنات معنویہ ...	″
محسنات لفظیہ ...	۱۲۳

تقریظ

اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم

داماد و مجاز حضرت مصلح الامتؒ اور سرپرست و نگراں اعلیٰ مدرسہ عربیہ بیت المعارف الٰہ آباد۔

اہل فن نے تفسیر قرآن پاک کے لئے منجملہ علوم ضروریہ کے علم معانی و علم بیان اور علم بدیع کو شمار فرمایا ہے اور انھیں تینوں علوم کو علم بلاغت کہتے ہیں۔ پس اس سے علم بلاغت کا کس قدر شرف و فضل ثابت ہوا اسی لئے علماء کرام نے اس فن کی طرف ہمیشہ سے خصوصی توجہ رکھی اور گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں جو مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہیں اور ان کے درس و تدریس کا خاص اہتمام ہے۔

مگر اس زمانہ میں اوّلاً تو طلبہ کی استعدادیں ناقص ہوگئی ہیں، اور شوق و ذوق بھی کم ہوگیا ہے مزید براں یہ کہ اس فن کی کتابیں عربی زبان میں ہیں اس لئے کئی کئی کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی اس علم کے الف، با تک سے ناواقفیت رہتی ہے۔ اور یہ اسی علم کی خصوصیت نہیں بلکہ جملہ علوم و فنون نحو، صرف، منطق و فلسفہ کم و بیش سبھی کا یہی حال ہے۔ اسی لئے علماء نے تسہیل کے لئے ان علوم کے اصول و ضوابط کو اردو زبان میں لکھا مثلاً تیسیر المنطق جس کو مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ نے تصنیف فرمایا جس کو علمائے عصر نے سراہا، چنانچہ مولانا صدیق احمد صاحب خلیفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اس پر بہت ہی بلیغ تقریظ لکھی جو قابل دید اور موجب بصیرت ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے یہ بھی حضرت کی پسندیدگی کی علامت ہے اسی طرح تمرین النحو، تمرین الصرف جیسے متعدد رسالے بچے اردو میں لکھے گئے اور حال میں مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی نے علم التعریف

کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں بہت ہی عمدہ انداز سے صرف کے قواعد وقوانین کو ضبط فرمایا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب ضرورت ہی کی بنا پر ہو رہا ہے۔

اس لئے ضرورت تھی کہ اس فن کی اصطلاحات و اصول بھی اُردو زبان میں لکھے جائیں تاکہ طلبہ کے لئے ان کا ذہن نشین کرنا آسان ہو جائے۔

چنانچہ مولانا سید غیاث الدین صاحب مظاہری اُستاذ مدرسہ عربیہ بیت المعارف نے اس کار عظیم کی طرف توجہ کی اور اپنی صلاحیت اور ذوق سلیم سے نہایت شُستہ وسلیس زبان میں فن بلاغت کے اصول وضوابط کو اُردو زبان میں طلبہ کے سامنے پیش فرمایا ہے اور سمجھانے کے لئے موقع موقع سے اُردو کے اشعار بھی مثال میں پیش کئے ہیں جس کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب اس لائق ہوگئی ہے کہ تلخیص المفتاح سے پہلے پڑھائی جائے تاکہ طلبہ کے لئے اپنی زبان میں اصول بلاغت سے مناسبت پیدا ہونے میں آسانی ہو جائے پھر بعد میں عربی کتابوں کے پڑھنے سے مزید کمال و مہارت حاصل ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کی یہ خدمت موجب صد آفریں ہے اور طلبہ کے لئے تحفہ گراں مایہ۔ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر دے اور طلبہ کو اس کے ذریعہ نفع تام عطا فرمائے۔ آمین

محمد قمر الزمان عفی عنہ

۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

تقریظ

(پروفیسر جناب حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مدظلہٗ صدر شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی)

علم ادب کی دس قسمیں ہیں: علم لغت، علم تصریف، علم نحو، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم عروض، علم قافیہ، علم قوانین کتابت اور علم قوانین قرارت۔ ان میں سے علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کو مجموعی طور پر علم بلاغت سے موسوم کیا جاتا ہے لہٰذا صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے ان علوم پر عبور حاصل کرنا ازبس ضروری ہے اور جب تک ان سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ ہو کوئی شخص ادیب کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

علم معانی میں لفظ کے مختلف احوال سے بحث کی جاتی ہے علم بیان میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی مفہوم کو کس طرح مختلف تراکیب سے ادا کیا جا سکتا ہے اور علم بدیع میں کلام کے محاسن لفظی و معنوی کے طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

عربی زبان میں ان علوم پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض میں بڑی تفصیل و تطویل سے کام لیا گیا چنانچہ بعض علماء کو ان کی تلخیص کی ضرورت محسوس ہوئی اور جب تلخیص میں تعقید پیدا ہو گئی تو پھر اس کی تشریح میں کتابیں لکھی گئیں اُردو زبان میں ان علوم پر کتابیں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں اور چونکہ ان کے مصنفین نے فارسی کتابوں کو پیش نظر رکھ کر قلم اُٹھایا جو خاص طور پر محاسن شعری مثلاً تشبیہ و استعارہ اور صنائع و بدائع سے متعلق ہیں، اس لئے انھوں نے بھی زیادہ تر اپنا زور قلم علم بدیع پر صرف کیا، اور علم بیان میں صرف تشبیہ و استعارہ کی چند مشہور قسمیں بیان کیں۔ رہا علم معانی تو اس سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں میں زیادہ تر شایں

فارسی زبان کی ملتی ہیں۔ عربی مدارس کے طلبہ ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ اوّلاً ان میں عربی کی مثالیں نہیں ملتیں، ثانیاً علم بلاغت کے سارے مباحث ان میں بیان نہیں کئے گئے۔

اس لحاظ سے مولانا سید غیاث الدین صاحب کی کوشش لائق صد ستائش ہے کہ انھوں نے اس کمی کو پورا کیا اور اُردو زبان میں بلاغت کی ساری بحثوں کو عالمانہ انداز میں پیش کیا اور ہر جگہ عربی مثالوں کے ساتھ ساتھ اُردو کی مثالیں بھی لکھیں تاکہ مفہوم پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔ مولانا موصوف کی تصنیف لطیف "البلاغت" کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے خاص طور پر اور کالج و یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے عام طور پر بیحد مفید اور ناگزیر ہے کیونکہ لائق مصنّف نے بلاغت کے دقیق مسائل کو نہایت سلیس اور سادہ زبان میں بیان کیا ہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کو پڑھ کر طالب علم فن بلاغت کے مطوّلات سے بے نیاز ہو جائے گا۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف علمی حلقہ میں مقبولیت اور شہرت کی نظر سے دیکھی جائے گی بلکہ عربی مدارس کے ارباب حل و عقد اور یونیورسٹیوں کے بورڈس آف اسٹڈیز اس کو نصاب درس میں شامل کرکے مصنّف کی قدر افزائی کریں گے۔

احقر الوریٰ

حافظ غلام مرتضیٰ

صدر شعبۂ عربی و فارسی

الہ آباد یونیورسٹی

۱۵ فروری ۱۹۵۸ء

مقدمہ

از

حضرت مولانا عمار احمد صاحب مدظلہ العالی

تلمیذ خاص و مجاز حضرت مصلح الامت وصدر المدرسین مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الہ آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔ اَمَّا بَعۡدُ

فن بلاغت کی اہمیت، ضرورت اور خصوصیت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن پاک کے شان اعجاز کی معرفت اس پر موقوف ہے اور عربی ادب وانشار میں کمال بدون اس فن میں مہارت کے ناممکن ہے۔ حتی کہ علمائے فن کا اتفاق ہے کہ اگر کلام میں اصول بلاغت کی رعایت نہ کی جاوے تو اس کی حیثیت بہائم کی اصوات سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔

اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ اس فن کا بالاصالت تعلق عربی زبان سے ہے۔ باقی سب زبانیں اسی کی خوشہ چیں اور زیر نگیں ہیں۔ نیز بلاغت کے لطف وکمال اور حسن وجمال کا مظہر اتم خالق عالم ہی کا کلام ہے جس کے تحدی کی تاب فصحار عرب بھی نہ لاسکے اور ان کے لئے اس کی معجزانہ شان کے سامنے اپنے عجز وقصور کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تا بعجم چہ رسد۔

اور یقیناً عربی زبان کی وسعت ی اس ، فون کی جملہ رعاات وخصوصیات کی

متحمل ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہ فن اپنے پورے خدوخال اور تمام تر نزاکتوں کے ساتھ اسی میں نمایاں اور اپنی جملہ خوبیوں کے ساتھ اسی میں جلوہ گر ہے۔

علماء عرب و عجم نے بالخصوص حضرات مفسرین نے اس کی طرف غایت اعتناء فرمایا اور اس فن میں معرکۃ الآراء تصانیف کا تحفۂ بے بہا پیش فرمایا جو اپنی جگہ پر کافی وافی ہے تاہم جن لوگوں کی مادری زبان عربی نہیں یا جن کو عربیت کا ذوق ابھی حاصل نہیں ان کے لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ اس فن کا ابتدائی تعارف اور ضروری قواعد مختصر طور پر ان کی مادری زبان میں کرا دیا جائے تاکہ اس فن سے مناسبت پیدا کرنے میں آسانی ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر عرصہ سے دلی خواہش تھی کہ جس طرح فن صرف و نحو اور منطق و فلسفہ کی ابتدائی کتابیں اردو زبان میں مرتب کر کے داخل نصاب کر لی گئیں اور ان سے طلباء عزیز کو نفع کثیر پہنچا۔ اسی طرح فن بلاغت میں بھی کوئی ایسی مختصر کتاب اردو زبان میں جو ایک عرصہ سے ہمارے ملک کی مادری زبان ہے ضرور مرتب کی جائے جس کے ذریعہ ابتدائی طور پر فن سے مناسبت پیدا کرنے میں طلباء کو آسانی ہو۔ اس لئے کہ تعلیم کا یہ فطری اصول ہے کہ ہر فن کا ابتدائی تعارف طالبعلم کی مادری زبان میں ہونا چاہئے۔ اس سے اصول و قواعد کے فہم و ضبط میں بہت سہولت ہوتی ہے۔ پھر جب ابتدائی اصول ذہن نشین ہو جائیں تو دوسری کسی زبان میں اس کی تفصیلات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ہمارے رفیق محترم عزیز مکرم مولانا سید غیاث الدین صاحب مظاہری اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہوئے اور اس میں شک نہیں کہ پوری دلچسپی اور خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ عرق ریزی کر کے مدت قلیل میں اس خدمت کو انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا

فرمائے اور اس سے مافوق خدمات کی بھی توفیق عطا فرماتا رہے جس سے اُمّت کو نفع کثیر ہو۔ آمین۔

احقر کے نزدیک "البلاغت" اس لائق ہے کہ فن بلاغت کی ابتدائی کتاب قرار دی جائے اور درس نظامی کی ترتیب میں "تلخیص المفتاح" سے مقدم کرکے پڑھائی جائے۔ نیز درس عالیہ کی ترتیب میں مولوی کے نصاب میں شامل کی جائے تو ازبس مفید و نافع ہے۔ بلاشبہ ہمارے مبتدی طلباء عزیز کے لئے یہ ایک بیش بہا دولت اور قابل قدر خزانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس فن شریف سے مناسبت کا ذریعہ بنائے۔

آخر میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ احقر نے اس کتاب کے مسودہ کو حرفاً حرفاً مطالعہ کرکے اس کی اشاعت کا مشورہ دیا ہے اور اسی اعتماد پر اس سلسلہ میں پیشقدمی کی گئی ہے لہٰذا اس کی ہر فروگزاشت میں راقم سطور کو شریک قصور گردانا جائے البتہ ہدف ملامت بنانے کے بجائے غلطی سے مطلع فرمادیا جائے تاکہ اصلاح و تصحیح ممکن ہو۔

اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی سعی کو مشکور اور اس کتاب کو مقبول فرمائے اور راقم سطور کو بھی ان کے ساتھ شامل فرماکر مغفور و ماجور فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

احقر عمّار احمد عفی عنہٗ

خادم طلبہ، بیت المعارف، الہ آباد

شب جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

عرضِ مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمد الرحمٰن الّذی علّم القراٰن، خلق الانسان، علّمہ البیان والقٰی فی قلبہ من المعانی البدیعۃ ذوی الشان ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الذی اوتی جوامع الکلم ومنابع الحکم وعلٰی اٰلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ وذریاتہ اجمعین وعلٰی من تبعھم باحسان الٰی یوم الدین۔ اَمّا بعد!

مدارس اسلامیہ میں علوم شرقیہ عربیہ اور فنون آلیہ کے تعلیم و تعلم سے مقصود اس کے سوا کیا ہے کہ طالبان علوم نبوت کلام اللہ اور کلام رسولؐ کے صحیح مزاج شناس رمز آشنا اور نکتہ رس بن سکیں، اس کے مفاہیم، معانی اور مقاصد کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور اس کی شان اعجاز اور مسیحائی کی جلوہ گری ان پر ہویدا ہوجائے جس سے وہ اپنے دل کو نور یقین سے معمور کرکے دوسرے ابنائے جنس کے لیے بھی اس خوان نعمت سے متمتع ہونے کا ذریعہ بنیں۔ صرف ہو یا نحو، علم الاشتقاق ہو یا فقہ اللغۃ، علم الکلام ہو یا منطق، یہ سب کے سب اسی شہ والا گھر بار کے خدمتگار ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جس علم سے اس کی شان اعجاز کی جلوہ نمائی اور اس کے جمال و کمال کی رونمائی ہوتی ہے وہ "علم بلاغت" ہے۔ اور درحقیقت یہی وہ میدان ہے

جس میں بلغاء عرب کو قرآن کے چیلنج کے مقابلہ میں سپر ڈالنا پڑا حتیٰ کہ ان کی شکست خوردگی کے ایقان نے خود ان کے رجل عظیم کو اپنی زبان سے ماھذا قول البشر کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے ہمیشہ اس علم شریف کی طرف پوری توجہ اور اعتنا کیا ہے۔ اور نہ صرف علم بلاغت بلکہ خاص طور سے قرآن حکیم کی بلاغت پر بھی مستقل کتابیں تصنیف کی گئیں۔

ہند و پاک میں جب سے اُردو زبان مسلمانوں کی معاشرت کا جزو بن گئی اور افہام و تفہیم کا ذریعہ قرار پائی، اسی وقت سے تعلیم کے ذمہ داروں نے اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی کہ طلبہ کے سامنے ان علوم کی پہلی رونمائی ان کی مادری زبان اُردو ہی میں ہونی چاہیے، تاکہ ان کا ذہن براہ راست معانی و مقاصد کو اخذ کر سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دی گئیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء عن جمیع الامۃ۔

یہ کتابیں جو اُردو زبان میں تیار کی گئیں علوم آلیہ کی بیشتر اقسام مثلاً صرف و نحو منطق و فلسفہ وغیرہ میں ہیں اور جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہیں اس میں کامیاب بھی ہیں عربی علم بلاغت کی شدتِ احتیاج اور اس کی طرف سے عام بے رغبتی اور بے ذوقی اس بات کی متقاضی تھی کہ انہی اُردو کتابوں کی طرح اس فن شریف میں بھی اُردو زبان میں ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جو اس علم کے مبتدی کے سامنے اس اطمینان کے ساتھ رکھی جا سکے کہ طالب علم کے ذہن پر صرف اس کے مفہوم ہی کے سمجھنے کا بار پڑے۔ اور اس بات پر بھی خاص طور سے توجہ دی جائے کہ حتی الوسع تعریفات اور امثلہ کی توضیح میں سادگی کی راہ اختیار کی جائے اور علمائے فن کے اختلافات

کے بیان سے گریز کیا جائے۔

پیش نظر کتاب میں انہی خصوصیات کے ملحوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور علاوہ ازیں اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ عربی مثالوں کے ساتھ اُردو کی بھی مثالیں دے دی جائیں جس میں پورے طور پر تو نہیں لیکن الحمدللہ کافی حد تک مؤلف کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

رسالہ "میزان البلاغۃ" سراج العلماء شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نوراللہ مرقدہٗ کی علم بلاغت کی اصطلاحات میں ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس رسالہ کی ترتیب وضعی شاہ صاحبؒ کے رسالہ مذکورہ کی ترتیب پر رکھی گئی ہے۔ اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ رسالہ میزان البلاغۃ بھی اس سے حل ہو جائے تاکہ جو اصحاب میزان البلاغۃ نصاب میں شامل کرنا چاہیں تو یہ کتاب اس کی شرح کا بھی کام دے سکے۔

آخر میں اپنے ان تمام بزرگوں، اصحاب اور احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے کتاب کی تالیف میں کسی طرح کا بھی حصہ لیا ہے۔ بالخصوص حضرت مولانا قمرالزماں صاحب دامت برکاتہم (داماد و مجاز صحبت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ) اور جناب مولانا عمار احمد صاحب مدظلہ العالی (شاگرد خاص حضرت مصلح الامتؒ) کہ اول الذکر کی بزرگانہ شفقت اور سرپرستانہ ہمت افزائی اور ثانی الذکر کی مشفقانہ ذرہ نوازی، ہمدردی اور ہر طرح کی اعانت نے مجھ جیسے نالائق کو یہ حوصلہ بخشا۔ مزید براں یہ کہ اپنے بیحد مصروف اور قیمتی وقت میں بھی مسودہ کا مطالعہ فرمایا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور اطمینان کا اظہار

فرمایا جس سے اس کتاب کی طباعت واشاعت کی ہمت ہوئی۔ تاہم یہ عرض ہے کہ مؤلف ابھی بساطِ علم کے تازہ واردوں میں سے ایک نو وارد طالب علم ہے، اس لئے غلطیوں کے ہونے کا احتمال ہی نہیں بلکہ گمان غالب ہے۔ لہٰذا اہل علم سے درخواست ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں غلطیاں پائیں اس سے مؤلف کو ضرور مطلع فرمائیں یہ آپ کا عین کرم ہوگا کہ اس سے آئندہ طباعت میں ان اغلاط کی تصحیح کر دی جائے گی اور مؤلف خود بھی اپنی غلطی سے آگاہ ہو جائے گا۔

بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ بار الٰہا! اس حقیر کوشش کو قبولیت اور مقبولیت سے نواز دے اور اپنے قرب و بخشش کا ذریعہ بنا دے اور اس کے نفع کو عام و تام کر دے اور اس سلسلہ کو تا دیر باقی رکھ۔ (آمین)

اللھم اغفر لی ولوالدیّ ولشیخی ولاساتذتی ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۔ وصلی اللّٰہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ؁

سید محمد غیاث الدین مظاہری

بن

سید عبد الصمد غفر لہما

خادم التدریس مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الٰہ آباد

فصاحت و بلاغت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ اجمعین:

فصاحت: فصاحت کے معنی لغت میں بیان وظہور (ظاہر ہونے) کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ لفظ کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتا ہے۔

کلمۂ فصیح: وہ کلمہ ہے جو تنافر حروف، غرابت اور قیاس لغوی کی مخالفت سے خالی ہو۔

تنافر حروف: کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جس کی وجہ سے کلمہ کا تلفظ زبان پر ثقیل اور دشوار ہو جاتا ہے۔ خواہ قریب المخارج حروف کے جمع ہو جانے سے یا کسی اور سبب سے جس کو ذوق سلیم ثقیل سمجھے جیسے "مُسْتَشْزِرَاتٌ" (بمعنی مرتفعات یعنی بلند) اور "الہُعْخُعْ" (وہ سبزہ جسے اونٹ چرتے ہیں) اور اردو میں جیسے ڈپٹنٹ (بمعنی چھیڑ یا دوڑ) سوداؔ کے اس شعر میں ؎

وہم آسا ہے اس پری وش کی — شرق سے تا بغرب اک ڈپٹنٹ

دیکھو ان کلمات کا تلفظ فصحار کی زبان پر ثقیل اور دشوار ہے۔

غرابت: اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ وحشی مجہول المعنی (جسکے معنی ظاہر نہ ہوں)

یا غیر مانوس الاستعمال ہو۔ لفظ مجہول المعنی کے لیے لغت کی بڑی بڑی کتابوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ جیسے "تَکَا کَأَ" (بمعنی اِجتمع یعنی اکٹھا ہوا) "الدَّھَرَش" (مصیبت) اور اردو میں لفظ "دِستا" وَلی کے اس شعر میں ؎

یہ دل تجھ مکھ کے کعبہ میں مجھے اسود حجر دِستا
زنخداں میں ترے مجھ چاہ زمزم کا اثر دِستا

بڑی تلاش و جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ پنجابی میں "دِستا" کے معنی "نظر آتا ہے" کے ہیں۔ اور لفظ غیر مانوس الاستعمال کے سمجھنے کے لیے سبب بعید کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے "مُسَرَّج" جس کے معنی "سُرَیجی تلوار کی طرح باریک اور سیدھی خوبصورت ستواں ناک" کے ہیں۔ سُرَیج ایک لوہار کا نام ہے جس کی تلوار مشہور ہے۔ یا اس کے معنی "چراغ کی طرح چمکدار ناک" کے ہیں۔ یہ لفظ ابن العجاج کے اس شعر میں ہے ؎

ومُقْلَۃً وحاجباً مزجّجا
وفاحِمًا ومَرْسَنًا مُسَرَّجَا

ترجمہ: (شاعر محبوبہ کی تعریف کر رہا ہے کہ) اس نے چمکیلے دانت (جس کا ذکر پہلے کے شعر میں ہے) اور آنکھ اور باریک بھوں اور کوئلے جیسے بال اور مسرّج ناک ظاہر کی۔

اور اردو میں منیں، سوں، چرن، انکھیاں وغیرہ الفاظ بجائے میں، سے، قدم، آنکھ کے۔ جیسے وَلی کا یہ شعر ؎

تا حشر رہے بوئے گلاب اسکے عرق سوں
جس پر منیں ایکبار وہ گل پیرہن آوے

اس قسم کے الفاظ کے معنی لغت کی کتابوں میں نہیں ملیں گے۔

مخالفتِ قیاسِ لغوی اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ صرفی اور لغوی قاعدہ کے مخالف ہو۔ جیسے لفظ "اَجْلَل" اس مصرعہ میں ع

الحمد للہ العلی الاَجْلَلِ

کہ قاعدۂ صرفی کے مطابق "اجلّۃ" لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور اُردو کے اس شعر میں لفظ "دل گرفت" ۔

سودا میں اس چمن میں ہوں چوں غنچہ دل گرفت ماتم سرا میں صورت دل گیر چاہیے

قاعدہ کے مطابق "گرفتہ" بروزن شگفتہ ہونا چاہیے تھا۔

کلام فصیح : وہ کلام ہے جس کے تمام کلمات فصیح ہوں اور تنافر کلمات، ضعف تالیف اور تعقید لفظی و معنوی سے خالی ہو۔

تنافر کلمات: چند کلمات کا اس طرح جمع ہو جانا کہ ان کے تلفظ میں زبان پر ثقل پیدا ہو جائے اگرچہ خود وہ کلمے الگ الگ فصیح ہوں۔ جیسے کسی جن[1] کے اس شعر میں

قبرُ حربٍ بمکانٍ قفرٍ ولیس قربَ قبرِ حربٍ قبرٌ

کہ دوسرے مصرعہ کا تلفظ زبان پر ثقیل اور دشوار ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے:۔

"حرب کی قبر ایسی جگہ ہے جو پانی اور گھاس سے خالی ہے اور حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں ہے"۔ اردو میں جیسے

پچّا چار کچرے کچے پچّا چار کچرے پکے پکے کچرے کچے پچّا کچے کچرے پکے

یہ کلمات بجائے خود الگ الگ فصیح اور غیر ثقیل ہیں لیکن مجتمعاً زبان پر ثقیل ہو گئے۔ میر انتشار کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں بھی تنافر کلمات ہے

تربتِ قیس پہ ٹکرائے یہ آہو کہ تمام گئے شاخوں کی دھڑا دھڑ سے یہ جھڑ جھڑ تیھر

ضعفِ تالیف : ترکیبِ کلام کا قواعد نحو کے خلاف ہونا۔ مثلاً اسم کو ذکر کرنے سے پہلے اس کی ضمیر لانا۔ جیسے "ضَرَبَ غلامُہٗ زیدًا"۔ اس میں غلامہٗ کی ضمیر

---

[1] حرب بن امیہ نے کوئی سانپ مارا تھا وہ سانپ جنات میں سے تھا۔ اس کے بدلہ کسی جن نے اسے مار ڈالا اور اسی نے یا کسی دوسرے جن نے یہ شعر پڑھا۔ منہ ۱۲

"زید" کی طرف لوٹ رہی ہے حالانکہ "زید" لفظاً اور رتبۃً ضمیر کے بعد ہے۔ یہ قاعدۂ نحو کے خلاف ہے۔ اردو میں جیسے، اُس کے غلام نے زید کو مارا، یہ عبارت ضعف تالیف کی مثال اس وقت بنے گی جب لفظ "اُس کے" سے مراد "زید" ہو۔

تعقید لفظی: نظم کلام میں لفظی خلل یعنی کلمات کے اپنی اصلی جگہوں سے مقدم یا مؤخر یا حذف وغیرہ ہونے کی وجہ سے کلام کا مطلب ظاہر نہ ہونا جیسے "ماقَرَأَ إلّا واحدًا محمدٌ مع کتابًا اخیہ" اس عبارت کا مطلب واضح نہیں ہے کیونکہ "وَاحِدًا" صفت اپنے موصوف "کتابًا" پر مقدم ہے اور حرف استثناء و مستثنیٰ اور مضاف و مضاف الیہ کے درمیان فصل ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے:۔

"ماقَرَءَ محمدٌ مَعَ اَخِیْہِ اِلّا کتابًا واحدًا" "نہیں پڑھا محمد نے اپنے بھائی کے ساتھ مگر ایک کتاب۔" اردو میں جیسے سوداؔ کے اس شعر میں ؎

توڑ کر بت خانے کو مسجد بنائی تو نے شیخ   برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

اصل کلام یہ تھا کہ "برہمن کے دل کی تعمیر کا بھی کچھ فکر ہے۔" یہاں "تعمیر" مضاف اور "دل" مضاف الیہ کے درمیان اجنبی حائل ہونے کی وجہ سے خلل پیدا ہو گیا۔

تعقید معنوی: کلام کا مطلب اس وجہ سے ظاہر نہ ہونا کہ متکلم کے مطلب تک لوازمِ بعیدہ اور وسائطِ کثیرہ کے بغیر رسائی نہ ہو سکے۔ جیسے اس شعر میں ؎

سَاطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْکُمْ لِتَقْرُبُوا   وَتَسْکُبُ عَیْنَایَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدَا

ترجمہ: میں تم لوگوں سے مکان کی دوری چاہتا ہوں تاکہ تم لوگ قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہائیں گی تاکہ وہ جم جائیں۔ شاعر نے یہاں دو کنایہ استعمال کیا ہے، ایک تو آنکھوں سے آنسو جاری ہونا حزن وغم سے کنایہ ہے۔ اس میں کوئی خلل اور تعقید نہیں۔ دوسرے جمود عین (آنکھوں کا جم جانا) فرح و سرور سے کنایہ کیا ہے اسی میں

تعقید ہے اس وجہ سے کہ اس میں متعدد وسائط کی طرف انتقال کے بعد شاعر کی مراد ذہن میں آئے گی۔ شاعر کی مراد یہ ہے کہ اب میں تم سے بُعد مکانی اختیار کر کے اپنے نفس کو فراق پر راضی کروں گا اور اس کو حزن وغم کے برداشت کرنے کا خوگر بناؤں گا اور خوب روؤں گا جس کے نتیجہ میں مجھ کو قرب ووصال نصیب ہوگا اور رنج وغم دور ہوکر فرح وسرور حاصل ہوگا تو آنسو خشک ہو کر آنکھیں جم جائیں گی۔ اُردو میں جیسے اس شعر میں ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

مطلب یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں کو باغ میں جانے سے روکو، کیونکہ اگر وہ باغ میں جائیں گی تو پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر شہد کا چھتہ بنائیں گی، چھتے سے موم نکلے گا، اس سے موم بتیاں بنائی جائیں گی، لوگ جب موم بتیاں جلائیں گے تو بے چارے پروانے آ آ کر مریں گے اور ان کا ناحق خون ہوگا۔

متکلم فصیح: اس کو کہتے ہیں جس کے اندر ایسا ملکہ ہو کہ اس کے سبب سے وہ اپنے مقصود کو فصیح الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

بلاغت: بلاغت کے معنی لغت میں وصول اور انتہاء (پہنچنے) کے ہیں اور اصطلاح میں یہ لفظ کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتا ہے۔ اور علم بلاغت اس علم کا نام ہے جس کے قواعد ملحوظ رکھنے سے مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے میں خطا نہ واقع ہو۔

حال (اس کا دوسرا نام مقام بھی ہے) ایسا امر ہے جو متکلم کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی عبارت کو ایک خاص ڈھانچے میں لائے۔

مقتضیٰ (اس کا دوسرا نام اعتبارِ مناسب بھی ہے) اس سے مراد وہ اعتبار ہے

جو حال اور مقام کے مناسب اور موافق ہو۔ یعنی وہ ایسا خاص ڈھانچہ اور مخصوص قالب ہے جس پر عبارت ڈھالی جاتی ہے۔ مثلاً "مدح" یعنی کسی کی تعریف کرنا ایک ایسی حالت ہے جو اس بات کو چاہتی ہے کہ عبارت "اطناب" کے ڈھانچے میں یعنی کلام کو طویل کر کے لائی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مدح" ایک "حال" ہے جو "اطناب" کو چاہتا ہے اور "اطناب" "مقتضیٰ" ہے۔ اور کلام کا اس ڈھانچے پر ڈھالنا "مطابقتِ مقتضیٰ" ہے۔

مطابقتِ مقتضیٰ: کلام کو اس خاص ڈھانچے پر ڈھالنا جو حال اور مقام کے مطابق ہو۔

موضوع: علم بلاغت کا موضوع الفاظ اور معنی ہیں۔

غرض: اس کی غرض یہ ہے کہ کلام بے موقع صادر نہ ہو بلکہ مقتضائے حال کے مطابق ہو

ضرورت: کلام کے دقائق اور باریکیوں کو بخوبی جاننے کے لئے علم بلاغت کی بہت ضرورت ہے۔

تنبیہ: فصاحت بغیر بلاغت کے پائی جا سکتی ہے اور بلاغت بغیر فصاحت کے نہیں۔ دیکھو کلمۂ مفردہ کو فصیح کہا جاتا ہے بلیغ نہیں۔

کلام بلیغ وہ فصیح کلام ہے جو مقتضائے حال کے مطابق ہو، یعنی جیسا موقع ہو اسی کے مطابق گفتگو کی جائے۔ مثلاً اگر سامع خبر کے صدق و کذب سے خالی الذہن ہو تو وہاں خبر کو تاکید کے ساتھ نہ لانا چاہئے۔ اور اگر سامع خبر میں متردد ہو تو وہاں تاکید مناسب ہے اور اگر خبر کا منکر ہے تو اس کے انکار ہی کے مطابق تاکید واجب ہے۔ مثلاً جو شخص زید کے آنے اور نہ آنے سے خالی الذہن ہو اس کو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ "زید آیا" اور اگر وہ متردد ہے تو مناسب ہے کہ کہے "بیشک زید آیا" اور اگر منکر ہو تو کہنا چاہئے "خدا کی قسم زید آیا"۔ اور عربی میں بالترتیب مثالیں اس طرح ہوں گی۔ ۱؎ خالی الذہن کے لئے "جَاءَ زَیْدٌ" ۲؎ متردد کے لئے "قَدْ جَاءَ زَیْدٌ"

۳ منکر کے لئے "وَاللّٰہِ جَاءَ زَیْدٌ"۔

متکلم بلیغ اس کو کہتے ہیں جس کے اندر ایسا ملکہ ہو جس کے ذریعہ اپنے مقصود کو بلیغ کلام سے ادا کر سکے۔

فائدہ: بلاغت کے دو طرف (کنارے) ہیں (۱) اعلیٰ (۲) اسفل

اعلیٰ: وہ ہے جو طاقت بشری سے خارج ہو۔ اور وہ قرآن مجید کی بلاغت کے ساتھ خاص ہے۔ اور ایک اور ہے جو "اعلیٰ سے قریب" ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے متعلق ہے، اس کا نام "حدّ اعجاز" ہے اور یہ دونوں "معجزہ" ہیں۔

اسفل: وہ ہے کہ کلام اگر اس سے بھی گھٹیا ہو جائے تو بلغاء کے نزدیک وہ انسان کا کلام نہیں ہوگا بلکہ حیوانات کی آواز سے مل جائے گا۔ "طرف اعلیٰ" اور "طرف اسفل" کے درمیان بہت سے درجے ہیں جو باہم مختلف ہیں، کیوں کہ بعض آدمی کی بلاغت بعض سے بہتر ہوتی ہے۔

فائدہ: معنی مراد کو ادا کرنے میں خطا سے بچنے کے لئے "علم معانی" اور تعقید معنوی سے بچنے کے لئے "علم بیان"، اور کلام میں مزید حسن پیدا کرنے کے لئے "علم بدیع" وضع کیا گیا۔ "معانی" اور "بیان" کے علاوہ بعض چیزیں "حس" (ذوقِ سلیم) سے معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً تنافر کلمات، اور بعض چیزیں علم لغت "صرف" و "نحو" سے، مثلاً "غرابت"، "مخالفتِ قیاسِ لغوی" اور "تعقید لفظی"۔

فائدہ علم بلاغت تین علوم یعنی (۱) علم معانی (۲) علم بیان (۳) علم بدیع کے مجموعہ کا نام ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی تعریف اپنے موقع پر آئے گی۔

علم معانی

ہر فن کی ابتدا سے پہلے اس کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت اس لئے بیان کر دی جاتی ہے تاکہ مبتدی علی وجہ البصیرت اس فن کو شروع کرے اس لئے ہم بھی یہاں علم معانی کی تعریف موضوع اور غرض و غایت کا ذکر کرتے ہیں۔

تعریف: معانی وہ علم ہے جس کے ذریعہ لفظ کے وہ احوال پہچانے جاتے ہیں جن کے ذریعہ الفاظ کو مقتضائے حال کے مطابق کیا جاتا ہے۔

موضوع: بلغاء کی استعمال کی ہوئی ترکیبیں اور عبارتیں اس حیثیت سے کہ وہ مقتضائے حال کے مطابق ہوں۔

غرض و غایت: کلام کو مقتضائے حال کے مطابق ترکیب دینے میں خطا واقع ہونے سے بچنا۔

علم معانی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل ــ اسنادِ خبری

اسناد: ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے اس طرح سے ملانا جس سے مخاطب معلوم کر لے کہ ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم کیلئے ثابت ہے یا اس سے منتفی ہے۔

اسناد کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقت عقلیہ (۲) مجاز عقلی۔

حقیقتِ عقلیہ: یہ ہے کہ فعل یا معنیٰ فعل کی اسناد اس چیز کی طرف کریں جو متکلم کے نزدیک ظاہر میں اس فعل یا معنیٔ فعل کے ساتھ متصف ہو۔ جیسے فعل معروف میں فعل کی نسبت فاعل کی طرف اور فعل مجہول میں نائب فاعل کی طرف۔ مثلاً "اَنْبَتَ اللّٰہُ الْبَقْلَ" اللہ تعالیٰ نے سبزہ اُگایا۔ جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں وہ اگر یہ کہیں تو اس میں اَنْبَتَ (اُگایا) کی اسناد "اللہ" کی طرف حقیقت عقلیہ ہے۔

فائدہ: معنیٰ فعل سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مصدر وغیرہ ہے۔

مجاز عقلی: یہ ہے کہ جس میں فعل یا معنیٰ فعل کی اسناد اس چیز کی طرف کریں جس کے ساتھ وہ متصف نہ ہو، اور یہ اسناد کسی مناسبت اور علاقہ کی وجہ سے ہو اور کسی تاویل کے ساتھ ہو جس کا قرینہ موجود ہو۔ جیسے "اَلنَّھْرُ جَارٍ" نہر جاری ہے" اسمیں "جَارٍ" (جاری) معنیٰ فعل کی نسبت "نہر" کی طرف مجاز عقلی ہے۔ کیونکہ نہر تو اس جگہ کا نام ہے جہاں پانی جاری ہوتا ہے۔

فائدہ: فعل اور معنیٰ فعل کے مناسبات اور علاقے کئی ایک ہیں۔ جیسے مصدر، زمان، مکان، سبب وغیرہ۔

مجاز عقلی کی قسمیں طرفین (مسند اور مسند الیہ) کے اعتبار سے مجاز عقلی کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) طرفین لغت کے اعتبار سے اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوں۔ جیسے "اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبُقَلَ" موسم بہار نے سبزہ اُگایا" یہاں "اِنْبَات" (اُگانے) کی اسناد "ربیع" (موسم بہار) کی طرف مجاز ہے۔ لیکن لفظ "اِنبات" اور لفظ "ربیع" اپنے حقیقی لغوی معنوں میں مستعمل ہیں۔

(۲) طرفین مجازی معنی میں مستعمل ہوں۔ جیسے "اَحْیَا الْاَرْضَ شَبَابُ الزَّمَانِ"

"زمین کو زمانہ کی جوانی نے زندہ کیا" یہاں "احیاء" (زندہ کرنے) کی اسناد "شباب" کی طرف مجاز ہے اور دونوں مجازی معنوں میں مستعمل بھی ہیں۔

(۳) مسند حقیقت ہو اور مسند الیہ مجاز۔ جیسے "اَنۡبَتَ الۡبَقۡلَ شَبَابُ الزَّمَانِ" سبزہ کو زمانہ کی جوانی نے اُگایا" یہاں "انبات" مسند حقیقت ہے اور "شباب" مسند الیہ مجاز۔

(۴) مسند مجاز ہو اور مسند الیہ حقیقت۔ جیسے "اَحۡیَا الۡاَرۡضَ الرَّبِیۡعُ" زمین کو موسم بہار نے زندہ کیا" یہاں "احیاء" مسند مجاز ہے اور "ربیع" مسند الیہ حقیقت۔

جاننا چاہئے کہ مجاز کے لئے کوئی لفظی یا معنوی قرینہ ہونا ضروری ہے جو ظاہری حقیقی معنی کو مراد لینے سے روکے۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی خبر دینے والا خبر دیتا ہے تو اس سے دو فائدوں میں سے کوئی ایک فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ (۱) یا تو یہ کہ مخاطب کو حکم معلوم ہو جائے اور وہ اس بات اور خبر سے آگاہ ہو جائے، (۲) یا یہ مقصود ہوتا ہے کہ مخاطب کو یہ معلوم ہو کہ متکلم اس حکم کا علم رکھتا ہے۔ یعنی متکلم مخاطب کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں۔ مثلاً "جَاءَ هَاشِمٌ"، ہاشم آیا۔ ایک کلام خبری ہے۔ یہ دو غرض سے بولا جاتا ہے، یا تو یہ غرض ہوتی ہے کہ متکلم مخاطب کو ہاشم کے آنے کی خبر دیدے اور یا یہ غرض ہوتی ہے کہ متکلم مخاطب کو یہ بتا دے کہ میں بھی ہاشم کے آنے سے واقف ہوں۔ پہلے کو فائدہ خبر اور دوسرے کو لازم فائدہ خبر کہتے ہیں۔

فائدہ خبر مخاطب کو اس حکم سے مطلع کرنا جس پر وہ کلام مشتمل ہے۔

لازم فائدہ خبر مخاطب کو اس بات سے مطلع کرنا کہ متکلم اس حکم سے واقف ہے

تنبیہہ — کبھی ان دو فائدوں کے علاوہ دوسرے فوائد و اغراض کے لئے بھی بھی خبر اور کلام لایا جاتا ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ مخاطب کے تین حالات ہوتے ہیں۔ اس کے اعتبار سے کلام کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) یہ کہ مخاطب حکم سے خالی الذہن ہو یعنی وہ خبر سے ناواقف ہو اور اس کو اس میں کچھ تردد نہ ہو تو اس صورت میں کلام میں کسی طرح کا تاکیدی لفظ نہیں لایا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص قاسم کے آنے نہ آنے سے خالی الذہن اور ناواقف ہے تو اس سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ "جَاءَ قَاسِمٌ"، "قاسم آیا"۔ اس کلام کا نام "ابتدائی" ہے۔

(۲) یہ کہ مخاطب کو حکم میں تردد اور شک ہو تو اس صورت میں حکم کو حرف تاکید سے مؤکد کرنا مستحسن ہے۔ جیسے کسی کو قاسم کے آنے کے بارے میں شک ہے تو اس سے کہا جائے گا "اِنَّ قَاسِمًا جَاءَ"، "بیشک قاسم آیا"۔ ایسے کلام کا نام "طلبی" ہے۔

(۳) یہ کہ مخاطب کو حکم سے انکار ہو تو اس صورت میں حکم کو منکر کے انکار کے مطابق مزید تاکید کے ساتھ مؤکد کرنا واجب ہے۔ مثلاً مخاطب کو قاسم کے آنے سے انکار ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ "وَاللهِ قَدْ جَاءَ قَاسِمٌ"، "خدا کی قسم قاسم آگیا ہے"۔ اس قسم کے کلام کا نام "اِنکاری" ہے۔

کلامِ ابتدائی: یہ ہے کہ حکم میں مخاطب کے خالی الذہن ہونے کی وجہ سے کلام میں کوئی تاکید کا لفظ نہ ہو۔

کلام طلبی: یہ ہے کہ مخاطب حکم میں متردد ہو اس وجہ سے کلام میں بطور استحسان کے تاکید کا لفظ ہو۔

کلامِ اِنکاری: یہ ہے کہ مخاطب حکم سے انکار کرے اس وجہ سے کلام میں بطور وجوب کے تاکید لائی جائے۔ جیسا زوردار یا کمزور انکار ہو ویسی ہی تاکید بھی ہو۔

فائدہ: اگر کلام مذکورہ تینوں صورتوں کے مطابق بولا جاوے تو یہ کلام مقتضائے ظاہر کے موافق ہوگا لیکن بسا اوقات چند وجوہ کی بناء پر کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف بھی

بولا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض وجوہ یہ ہیں :۔

(۱) کبھی منکر کو غیر منکر فرض کر کے خبر کو بغیر تاکید کے لاتے ہیں بشرطیکہ منکر کو اس کے دلائل و شواہد معلوم ہوں کہ اگر ان میں غور کرے تو انکار سے باز آجائے اور اقرار کرلے۔ اس لئے کلام کو غیر مؤکد لاتے ہیں۔ جیسے تم کسی منکرِ اسلام سے کہتے ہو کہ "اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ" اسلام حق ہے۔ بغیر حرف تاکید کے۔

(۲) کبھی غیر منکر کو منکر فرض کر لیتے ہیں جبکہ غیر منکر پر انکار کی علامات و آثار نمایاں ہوں، اس لئے کلام کو مؤکد لاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ "ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ لَمَيِّتُوْنَ"۔ "پھر بیشک تم اس کے بعد ضرور مروگے"۔ یہاں پر مخاطبین حکم "یعنی" موت" سے منکر نہیں ہیں لیکن منکرین موت کی علامات (یعنی موت سے غفلت، گناہوں کا ارتکاب اور عمل صالح کا نہ کرنا وغیرہ) ان پر نمایاں ہے اس لئے حرف تاکید "اِنَّ" (بیشک) اور "لام مفتوحہ" (بمعنی ضرور) سے کلام کو مؤکد فرمایا۔

سوالات

۱۔ علم معانی کی تعریف کیجئے اور بتائیے کہ اس علم کا موضوع اور غرض کیا ہے؟

۲۔ اِسناد کی تعریف کیجئے اور بتائیے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں۔؟

۳۔ خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ اور کَتَبَ قَلَمُكَ ثَلٰثَ صَفَحَاتٍ میں اسناد کی کون سی قسم ہے؟ واضح کر کے بیان کیجئے۔

۴۔ مجاز عقلی کی کتنی قسمیں ہیں؟ مثال دے کر بتائیے۔

۵۔ معنیٔ فعل سے کیا مراد ہے؟ ۶۔ مخاطب کے کتنے حالات ہوتے ہیں اور کس حالت میں کلام کی کونسی قسم استعمال کی جاتی ہے؟ ۷۔ فائدہ خبر اور لازم فائدہ خبر کی تعریف کیجئے۔

باب دوم - مسند الیہ

مسند الیہ کے مختلف حالات ہیں۔ کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اور کبھی ذکر کیا جاتا ہے، کبھی اس کو معرفہ لاتے ہیں اور کبھی نکرہ وغیرہ۔ ان حالات میں سے ہر ایک کے مختلف اسباب ہیں جو بالتفصیل نیچے لکھے جاتے ہیں۔

مسند الیہ کے اسبابِ حذف (۱) یہ ہے کہ مسند الیہ ظاہر ہو کر قرینہ سے معلوم ہو سکتا ہے اس لئے اس کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ اس کا ذکر عبث اور لغو نہ ہو۔ جیسے اس شعر میں

ے قَالَ لِي كَيْفَ اَنْتَ قُلْتُ عَلِيْلٌ   سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيْلٌ

اور اردو میں اس شعر میں جو عربی شعر کا ترجمہ بھی ہے ے

حال میرا پوچھتے ہو کیا، بہت بیمار ہوں   مبتلائے عشق ہوں اور روز و شب بیدار ہوں

عربی کے شعر میں "علیل" کا مسند الیہ "انا" اور اردو کے شعر میں "بیمار" کا مسند الیہ "میں" محذوف ہے کیونکہ قرینہ عقلیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

(۲) یہ ہے کہ سامع کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ وہ قرینہ کے باوجود مسند الیہ کو سمجھتا ہے یا نہیں۔ جیسے "نُوْرُهٗ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُوْرِ الشَّمْسِ"، "اس کا نور مستفاد ہے آفتاب کے نور سے"۔ یہ پورا جملہ خبر (مسند) ہے مبتدا (مسند الیہ) محذوف کی جو "اَلْقَمَرُ" (چاند) ہے۔ کیونکہ "قمر" ہی کا "نور" "شمس" کے نور سے مستفاد ہے۔ اس لئے یہ قرینہ ہے کہ اس کا مسند الیہ "اَلْقَمَرُ" ہے جو اسی قرینہ کی وجہ سے سامع کے امتحان کے لئے حذف کر دیا گیا۔

اردو میں جیسے ے

نہ کیوں ہوں لاکھ مستانہ ادائیں میرے نالے میں
گدائے میکدہ ہوں ہر طرح کی ہے پیالے میں

"ہر طرح کی ہے پیالے میں" مسند ہے اور اس کا مسند الیہ "مَے" (شراب) محذوف ہے۔

(۳) یہ ہے کہ سامع کے تنبہ اور فہم کی مقدار کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ آیا وہ باریک اور پوشیدہ قرینوں کو سمجھتا ہے یا نہیں۔ جیسے "ھو واسطۃ عقد الکواکب" "وہ ستاروں کے ہار کا واسطہ (بیچ کا عمدہ جوہر) ہے"۔ یہ پورا جملہ خبر (مسند) ہے مبتدا (مسند الیہ) محذوف کی جو "اَلْقَمَرُ" (چاند) ہے۔ کیونکہ "واسطہ" اس عمدہ جوہر کو کہتے ہیں جو ہار کے بیچ میں رکھا جاتا ہے۔ اور کواکب میں سب سے عمدہ قمر ہی ہے، اس لئے کواکب کے ہار میں "قمر ہی" واسطہ ہوگا۔ اس قرینہ کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی طرف ذہن بہ نسبت اول کے ذرا دیر میں منتقل ہوتا ہے۔

حکایت : ایک امیر اپنے ایک مصاحب کے ساتھ ایک حوض کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ امیر نے مصاحب سے دریافت کیا کہ تم کو کون سا کھانا زیادہ پسند ہے مصاحب نے جواب دیا کہ "بریانی" دوسرے سال پھر اسی حوض کے کنارے دونوں جمع ہوئے اور امیر نے مصاحب سے کہا کہ "کس چیز کے ساتھ" ؟ عرض کیا کہ "بورانی کے ساتھ" امیر اس کی ذکاوت اور تیز فہمی سے بہت متعجب ہوا۔

(۴) یہ ہے کہ مسند الیہ کی عظمت کی وجہ سے اپنی زبان کو اس کے ذکر کے قابل نہیں سمجھتا۔ جیسے "تَفَضَّلَ" تشریف لائے۔ یعنی "اَلْمَلِكُ" بادشاہ سلامت "مسند الیہ اَلْمَلِكُ" کی تعظیم کی بنا پر اس کو ذکر نہیں کیا۔

(۵) یہ ہے کہ مسند الیہ کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے اپنی زبان سے اس کو ذکر نہیں کرتا جیسے "حَضَرَ" حاضر ہوگیا۔ یعنی "المجرم"، "مجرم" مسند الیہ "مجرم" کی حقارت کی بنا پر اس کو ذکر نہیں کیا۔

(۶) یہ ہے کہ ضرورت کے وقت انکار کرنا آسان ہوسکے۔ جیسے "فَاسِقٌ زَانٍ"

"فاسق ہے زنا کار ہے" یعنی بکر "مسند الیہ بکر" کو حذف کر دیا تا کہ ضرورت پڑے تو انکار کر سکے۔

(۷) یہ ہے کہ مسند الیہ متعین ہو۔ جیسے "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" "جو چاہے کر ڈالنے والا" یعنی "اللہ" یہاں متعین ہے کہ ایسے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

مسند الیہ کے اسبابِ ذکر (۱) یہ ہے کہ ذکر کرنا اصل ہے اور اصل کو چھوڑنے کی کوئی وجہ وہاں نہیں پائی جاتی۔ جیسے "سعیدٌ جالسٌ"، "سعید بیٹھا ہے"۔

(۲) یہ ہے کہ قرینہ پر اعتماد ضعیف اور کمزور ہوتا ہے اس لئے مسند الیہ کو احتیاطاً ذکر کر دیتے ہیں۔ جیسے "زیدٌ نِعْمَ الصَّدِیْقُ"، "زید کیا ہی اچھا دوست ہے"، اس وقت کہنا جب کہ "زید" کا تذکرہ پہلے سے ہو رہا ہو، کیونکہ ایسی صورت میں مسند الیہ "زید" کو حذف کر کے صرف "نِعْمَ الصَّدِیْقُ" بھی کہا جا سکتا تھا۔

(۳) یہ ہے کہ متکلم یہ جانتا ہے کہ سامع مسند الیہ کو سمجھتا ہے مگر دوسروں پر اسکی غباوت اور کوڑ مغزی ظاہر کرنے کے لئے تعریضاً مسند الیہ کو ذکر کرتا ہے۔ جیسے "مسعودٌ قالَ کذا" "مسعود نے یہ بات کہی ہے"، اس شخص کے جواب میں کہنا جس نے پوچھا ہے "ماذا قال مسعود" "مسعود نے کیا کہا؟" یہاں جواب میں مسند الیہ "مسعود" کے ذکر کی ضرورت نہ تھی لیکن سامع کی غباوت پر تعریض کے لئے اس کو ذکر کیا۔ اردو میں جیسے ؎

پوچھا عدو نے، یار نے کیا جھک کے دیدیا   میں نے کہا کہ یار نے بوسہ دیا مجھے

دوسرے مصرعہ میں مسند الیہ "یار" کو دوبارہ ذکر کیا تا کہ لوگوں کو یہ احساس دلائے کہ مخاطب غبی ہے، بغیر مکرر ذکر کے نہ سمجھ پاتا۔

(۴) یہ ہے کہ مسند الیہ کو خوب واضح کرنا مقصود ہو۔ جیسے "أُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" "وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے"۔ یہاں پر دوسرا "أُولٰٓئِكَ" اگر محذوف

ہوتا تو بھی کافی تھا۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے اس کو ذکر کیا۔ اردو میں جیسے ع

وہی ہے دریا، وہی ہے کشتی، اسی کا جلوہ حباب میں ہے

اس میں دوسرا وہی جو مسند الیہ ہے مزید وضاحت کے لئے ذکر کیا گیا۔

(۵) یہ ہے کہ اظہارِ عظمت کے لئے مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ وہ عظمت پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے "اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ جَالِسٌ"، امیر المومنین تشریف فرما ہیں۔ مسند الیہ امیر المومنین کو بقصد تعظیم ذکر کیا۔ اردو میں جیسے ؎

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال

اس میں مسند الیہ شاہِ جمجاہ کو بغرض اظہار عظمت ذکر کیا۔

(۶) یہ ہے کہ مسند الیہ کی اہانت مقصود ہو۔ جیسے "اَلسَّارِقُ اللَّئِیْمُ حَاضِرٌ" "کمینہ چور حاضر ہے"۔ یہاں مسند الیہ اَلسَّارِق اللَّئیم کو بغرض اہانت ذکر کیا۔

(۷) یہ ہے کہ مسند الیہ کے ذکر سے برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے "رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَذَا"۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا"۔ مسند الیہ رسول اللہ کو تبرکاً ذکر کیا۔

(۸) یہ ہے کہ مسند الیہ کے ذکر میں لذت اور مزہ آتا ہے۔ جیسے کوئی کسی عاشق سے پوچھے کہ "هَلْ جَاءَ حَبِیْبُكَ فُلَانٌ" "کیا تمہارا محبوب فلاں آیا؟" اور عاشق جواب دے کہ "حَبِیْبِیْ جَالِسٌ" "میرا محبوب بیٹھا ہے"۔ یہاں "جَالِسٌ" کہنا کافی تھا لیکن عاشق کو محبوب کے ذکر میں مزہ آتا ہے اس وجہ سے اس کو ذکر کیا۔

مسند الیہ کے معرفہ لانے کے طریقے اور اسباب

(۱) مسند الیہ کے معرفہ لانے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کے لئے ضمیر لائیں اور ضمیر

اس لئے لاتے ہیں کہ وہاں تکلم یا خطاب یا غیبت کا موقع ہوتا ہے۔ تو جہاں جیسا موقع ہوتا ہے اسی کے موافق ضمیر لاتے ہیں۔ مثلاً کسی نے دریافت کیا کہ "مَنْ اَکْرَمَ زَیْدًا"، "زید کا اکرام کس نے کیا؟" تو اگر زید کا اکرام مخاطب نے کیا ہے تو جواب میں "اَنَا" (میں) کہے گا۔ اور اگر خود متکلم نے کیا ہے تو "اَنْتَ" (تو) کہے، یا مثلاً اگر کسی غائب کے متعلق پہلے سے تذکرہ تھا اور اس کے متعلق کوئی بات کہنا چاہتے ہو تو "ھُوَ" (وہ) کہو گے۔ یہ سب مسند الیہ کی "تعریف بالاضمار" ہے۔

(۲) مسند الیہ کو کبھی عَلَم اس لئے لاتے ہیں تاکہ اس کو بعینہٖ سامع کے ذہن میں اسکے خاص نام کے ساتھ ابتداءً حاضر کر دیں۔ جیسے "اَللّٰہُ اَحَدٌ"، "اللہ ایک ہے"۔

(۳) کبھی مسند الیہ کو اس لئے عَلَم لاتے ہیں کہ اس سے ایسے معنی سے کنایہ کرنا مقصود ہوتا ہے جو عَلَم سے نکلتے ہوں۔ جیسے کسی کے بارے میں کہیں کہ "اَبُو لَهَبٍ فَعَلَ کَذَا"، "ابولہب نے ایسا کیا"۔ یہاں "ابولہب" عَلَم ہے جو مسند الیہ ہے اس سے اس شخص کے جہنمی ہونے کا کنایہ کیا ہے کیونکہ "لہب" کے معنی "شعلہ" کے ہیں۔ یا جیسے، "دانشمند خاں آگئے"۔ جب کہ اس طرف کنایہ ہو کہ آنے والا عقل و دانش والا ہے۔

(۴) کبھی مسند الیہ کو عَلَم اس لئے لاتے ہیں کہ مسند الیہ کی تعظیم یا توہین مقصود ہوتی ہے بشرطیکہ عَلَم سے تعظیم یا توہین کا مطلب نکلتا ہو۔ جیسے "جَاءَ عَلِیٌّ وَ ھَرَبَ الشَّیْطَانُ" "حضرت علی آئے اور شیطان بھاگا"۔ پہلے جملہ میں "علی" مسند الیہ تعظیم کے لئے ہے کیونکہ وہ "علوّ" (بلندی) سے مشتق ہے اور دوسرے جملہ میں "شیطان" مسند الیہ اہانت کے لئے ہے کیونکہ وہ "شطن" (نافرمانی اور سرکشی) سے مشتق ہے۔

(۵) کبھی مسند الیہ کو اس لئے عَلَم لاتے ہیں کہ سامع کے خیال میں یہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ مسند الیہ کا نام لینے میں مجھ کو لذت ملتی ہے۔ جیسے

بِاللّٰہِ یَا ظَبْیَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا اَلَیْلَایَ مِنْکُنَّ اَمْ لَیْلٰی مِنَ الْبَشَرِ

ترجمہ: تمہیں خدا کی قسم اے چٹیل میدان کی ہرنیو! ہمیں ذرا بتلاؤ کہ میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا لیلیٰ انسانوں میں سے ہے۔ یہاں "لیلیٰ" مسندالیہ کو معرفہ بالعلم اس لئے لایا گیا ہے کہ نام لینے میں اس کو مزہ آتا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

نہ ملا پر ترے ناقہ کا پتہ او لیلیٰ
چھان ڈالے ترے مجنوں نے بیاباں کتنے

(۶) کبھی مسندالیہ کو اس لئے عَلَم لاتے ہیں تاکہ اس سے برکت حاصل ہو۔ جیسے:۔
"اَللّٰہُ الْھَادِیْ"، اللہ ہدایت دینے والا ہے۔ اور "محمد الشفیع"، محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں۔

یہاں "اللہ" اور "محمد" مسندالیہ کو بغرض تبرک ذکر کیا۔

(۷) کبھی مسندالیہ کو موصول لاتے ہیں جب کہ سامع مسندالیہ کے صرف اسی وصف اور حالت کو جانتا ہے جو صلہ کی صورت میں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے متعلق مخاطب اتنا جانتا ہے کہ وہ کل تمہارے ساتھ تھا، اور بس۔ نہ اس کے نام سے واقف ہے اور نہ اس کے دیگر اوصاف سے۔ اب تم اس کو یہ بتانا چاہتے ہو کہ وہ شخص عالم ہے، تو اس کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ صلہ استعمال کر کے اس کے ساتھ موصول لاؤ۔ اور اس طرح کہو "اَلَّذِیْ کَانَ مَعَنَا اَمْسِ عَالِمٌ"۔ "جو شخص کل ہمارے ساتھ تھا وہ عالم ہے"۔

(۸) کبھی مسندالیہ کو موصول اس لئے لاتے ہیں کہ صراحت کے ساتھ نام لینا برا سمجھتا ہے۔ جیسے "الذی یخرج من احد السبیلین ناقض الوضوء"۔ جو چیز دو راستوں میں سے کسی ایک سے نکلتی ہے وضو کو توڑنے والی ہے۔

اس صورت میں "الغائط ناقض الوضوء"۔ بول و براز ناقض وضو ہے، کہنا پسند نہ کیا۔

اردو میں جیسے:۔ ؎

سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے روا ہے انھیں سب کو جو ناروا ہے

(۹) کبھی اس لئے موصول لاتے ہیں کہ زیادتِ تقریر یعنی مضمون کو پُرزور طریقہ پر ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا" اور بہکایا یوسف علیہ السلام کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھے۔ یعنی زلیخا نے"۔

یہاں اگر" التی ھو فی بیتھا" کے بجائے عورت کا نام ذکر کردیا جاتا، تو بھی یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوجاتی۔ لیکن اسم موصول کے ساتھ ذکر کرنے میں زیادہ پُرزور طریقے سے ثابت ہوگئی کہ اس کے گھر میں ہوتے ہوئے بھی برے کام سے بچے رہے۔

(۱۰) مسند الیہ کو کبھی اس لئے موصول لاتے ہیں کہ مسند الیہ کو باعظمت یا خوفناک بنا کر پیش کیا جائے۔ جیسے " فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ"، ڈھانپ لیا فرعون کو اور اس کے لشکر کو سمندر کی اس چیز نے جس نے کہ ڈھانپ لیا۔

اس میں " ما " موصول " فغشیھم "، کا فاعل ہے، اور " من الیم" اس کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سمندر کے اتنے کثیر مقدار پانی نے ان کو ڈھانپا کہ جس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ جو انتہائی خطرناک، خوفناک اور فرعون و فرعونیوں کے لئے پیغامِ موت تھا۔ اس کی اسی ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لئے مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں بیان کیا

اردو میں جیسے ؎

کاٹ ہے جو ابروئے خمدار میں ہے یہ پرسش کب کسی تلوار میں

یہاں "جو کاٹ" مسند الیہ اور موصول ہے۔ اور "ابروئے خمدار ہیں" صلہ ہے۔ مسند الیہ کی عظمت کے اظہار کے لئے اسم موصول کی صورت میں بیان کیا۔

(۱۱) کبھی اس لئے موصول لاتے ہیں تاکہ خبر کے آنے سے پہلے ہی معلوم ہوجائے کہ وہ کس قسم کی ہوگی۔ مدح پر مشتمل ہوگی یا ذم پر، ثواب کے ذکر پر مشتمل ہوگی یا عقاب کے

جیسے " إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ"
"بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت وخواری کی حالت میں داخل ہوں گے۔"

یہاں موصول اور صلہ لاکر اس طرف اشارہ ہے کہ آنے والی خبر عقاب اور تذلیل کی قسم سے ہے۔ اردو میں جیسے سوداؔ کے اس شعر میں ؎

جو کہ ظالم ہیں وہ ہر گز پھولتے پھلتے نہیں سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی شمشیر کا

یہاں موصول وصلہ "جو کہ ظالم ہیں" سے اس طرف اشارہ ہے کہ آنے والی خبر مذمت کی قسم سے ہے۔

(۱۲) کبھی اس لئے موصول لاکر معرفہ بناتے ہیں تاکہ مخاطب کو اس کی خطا یا صواب پر تنبیہ کریں، جیسے ؎

إِنَّ الَّذِيْنَ تَرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ يَشْفِيْ غَلِيْلَ صُدُوْرِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوْا

ترجمہ: تحقیق وہ لوگ کہ جن کو تم اپنا بھائی گمان کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔ ان کے سینوں کا کینہ اس بات سے آرام پاتا ہے کہ تم پچھاڑے جاؤ۔ اردو میں جیسے ع

جس کو تم دوست سمجھتے تھے وہ دشمن نکلا

اردو اور عربی دونوں کی مثالوں میں موصول لاکر مخاطب کو اس کی اس غلطی پر متنبہ کیا کہ تمھارا ان کو اپنا بھائی اور دوست سمجھنا غلط ہے۔

(۱۳) کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ لاتے ہیں تاکہ اس کو مکمل طور پر ممتاز کر سکیں اور اس کی خوب وضاحت ہو جائے۔ جیسے ع

"هٰذَا أَبُو الصَّقْرِ فَرْدًا فِيْ مَحَاسِنِهِ"

یہ ابوالصقر ہے اس حال میں کہ اپنے محاسن میں یکتا ہے۔ یہاں "ابوالصقر ممدوح کا نام لے لینا کافی تھا۔ "هٰذا" اسم اشارہ مزید وضاحت اور تمیز کے لئے لایا گیا۔
اردو میں جیسے ؎

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے　　　قلم جو لکھے اس سے افزود ہے

یہاں "وہ" مزید وضاحت کے لئے ہے۔
(۱۴) کبھی اس لئے اسم اشارہ لاتے ہیں تاکہ سامع کی غباوت پر تعریض کریں جیسے ؎

أُولَئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ　　　إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

ترجمہ: یہ میرے باپ دادا ہیں، سو تو بھی ان جیسے باپ دادا لے آ۔ جب ہم کو اے جریر محفلیں جمع کریں۔
یہاں شاعر فرزدق اپنے حریف شاعر جریر کی غباوت پر تعریض کے لئے "اولٰئک" اسم اشارہ لایا۔ اردو میں جیسے ؎

اب سبب کیا ہے کہ کانٹا سا کھٹکتا ہے ذکیؔ
یہ وہ ہی دل ہے کہ رہتا تھا سدا آنکھوں میں

یہاں "یہ وہ ہی دل" اسم اشارہ کے ساتھ اس واسطے کہا تاکہ سامع کی غباوت پر تعریض کرے کہ وہ ایسا غبی ہے کہ بغیر اشارہ کے سمجھ ہی نہیں سکتا۔
(۱۵) کبھی یہ بیان کرنے کی غرض سے اسم اشارہ لاتے ہیں کہ مسند الیہ کے قریب یا بعید یا قریب وبعید دونوں کے درمیان ہونے کا حال معلوم ہو۔ جیسے "هٰذا زید" "یہ زید ہے"۔ قریب کے لئے "ذالك زید" "وہ زید ہے"۔ بعید کیلئے ذاك زید "وہ زید ہے"۔ متوسط کے لئے۔
(۱۶) کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ قریب یا بعید کے ساتھ مسند الیہ کی تعظیم کی غرض سے

لاتے ہیں۔ جیسے " اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ "۔ بلاشبہ یہ قرآن ہدایت دیتا ہے۔
اور " ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ " وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں۔

پہلی مثال میں " هٰذَا " جو قریب کیلئے ہے، اور دوسری مثال میں " ذٰلِكَ "
جو بعید کے لئے ہے قرآن حکیم کی عظمت شان کے اظہار کے لئے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اور ؎

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرود
وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد وحساب

پہلے شعر میں " یہ "، جو قریب کے لئے ہے، اور دوسرے شعر میں " وہ "، جو بعید
کے لئے ہے، تعظیم کی غرض سے لایا گیا ہے۔

(۱۷) کبھی مسندالیہ کو اسم اشارہ قریب یا بعید کے ساتھ مسندالیہ کی تحقیر کی غرض
سے لاتے ہیں۔ جیسے " وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ " اور یہ
دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں"۔ اور " فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ
الْيَتِيْمَ " "سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو"۔

پہلی مثال میں " هٰذَا " اور دوسری مثال میں " ذٰلِكَ "، مسندالیہ کی تحقیر
کے لئے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

اے ذوقؔ دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اور ؎

وہ شیفتہؔ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

پہلے شعر میں " یہ " اور دوسرے شعر میں " وہ " تحقیر کے لئے ہے۔

(۱۸) کبھی مسندالیہ کو الف لام کے ذریعہ معرفہ بناتے ہیں کسی معہود و متعین کیطرف

اشارہ کرنے کی غرض سے۔ جیسے

" إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ " جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

یہاں " الغار" معرف باللام ہے اور اس سے مراد ایک معہود غار، یعنی غار ثور ہے۔

(۱۹) کبھی نفس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے۔ جیسے :۔

" الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ " "مرد کی نفس حقیقت بہتر ہے عورت کی نفس حقیقت سے"۔ یہاں " الرجل" اور " المرأة " میں "الف لام" نفس حقیقت اور جنس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

(۲۰) کبھی اس لئے تاکہ حقیقی استغراق کا فائدہ دے۔ جیسے :۔

" إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ " "بیشک تمام انسان گھاٹے میں ہیں"۔

یہاں " الانسان " میں "الف لام" حقیقی استغراق کے لئے ہے۔ یعنی ہر فرد انسان خسارہ میں ہے۔

(۲۱) کبھی اس لئے کہ عرفی استغراق کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ جیسے :۔

" جَمَعَ الْأَمِيرُ الصَّاغَةَ " "امیر نے تمام سُناروں کو جمع کیا"۔

یہاں " الصاغة " میں "الف لام" استغراق عرفی کے لئے ہے۔ کیونکہ اس سے امیر کے شہر کے تمام سُنار مراد ہیں نہ کہ ساری دنیا کا ہر فرد سنار۔

(۲۲) کبھی مسندالیہ کو اضافت سے معرفہ بناتے ہیں کیونکہ اس سے مختصر طریقہ پر جملہ پورا ہو جاتا ہے۔ جیسے ع " هواى مع الركب اليمانين مصعد "

ترجمہ: میری محبوبہ یمنی سواروں کے ساتھ جا رہی ہے۔

یہاں "هواى" کے بجائے اگر "الذى اهواه" کہتا تو زیادہ مختصر نہ ہوتا

اردو میں جیسے ع تیرا ہے مکاں کعبۂ ایماں کے برابر

یہاں "تیرا مکاں" کے بجائے اگر "وہ مکان جو تیری ملک ہے" کہتے، تو یہ اختصار نہ ہوتا۔

(۲۳) کبھی اس لئے کہ اس سے مضاف یا مضاف الیہ یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ جیسے

"عبدُ الخلیفۃِ حضرَ" "خلیفہ کا غلام حاضر ہوا"

اس میں مضاف کی عظمت کا اظہار ہے۔ اور "عبدی حضر" "میرا غلام حاضر ہوا"۔ اس میں مضاف الیہ کی عظمت کا اظہار ہے کہ وہ ایسا ہے کہ اسکے پاس غلام ہے۔ اور "عبدُ السلطانِ عندی" "بادشاہ کا غلام میرے پاس ہے" اس میں خود متکلم کی عظمت کا اظہار ہے۔ جو نہ مضاف ہے نہ مضاف الیہ، بلکہ ان دونوں کے علاوہ ہے۔

(۲۴) کبھی اس لئے کہ اس سے مضاف یا مضاف الیہ یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ جیسے

"ابنُ اللصِّ حاضرٌ" "چور کا بیٹا حاضر ہے"۔

اس میں مضاف الیہ کی تحقیر ہے۔ اور "مُھینُ زیدٍ حاضرٌ" "زید کی اہانت کرنے والا حاضر ہے"۔ اس میں مضاف الیہ کی تحقیر ہے۔ اور

"شاربُ الخمرِ جلیسُ زیدٍ" "شرابی زید کا ہمنشیں ہے"۔

اس میں "زید" کی تحقیر ہے جو نہ مضاف ہے اور نہ مضاف الیہ۔

مسند الیہ کو نکرہ لانے کے اسباب

(۱) کبھی مسند الیہ کو نکرہ اس لئے لاتے ہیں تاکہ یہ بتائیں کہ مسند الیہ مفرد اور واحد ہے جیسے " وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ " "اور شہر کے آخری حصہ سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا"۔ یہاں "رجل" مسند الیہ نکرہ ہے وحدت اور فردیت کے اظہار کے لئے۔

(۲) کبھی یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ مسند الیہ کی ایک خاص نوع اور ایک خاص قسم مراد ہے۔ جیسے " وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ " "اور ان کی آنکھوں پر ایک خاص نوع کا پردہ ہے"۔ یہاں "غشاوۃ" نکرہ ہے اس کی نوعیت کے اظہار کے لئے۔ اردو میں جیسے ؎

ہر اک گل کا ہے رنگ و عالم جُدا نہیں لطف سے خالی کوئی ذرا

اس میں "ہر اک گل" نکرہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ پھول کی ہر اک نوع کا رنگ و عالم جدا ہے۔

(۳) کبھی مسند الیہ کی تقلیل کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے :-

" وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ " "اللہ کی تھوڑی سی رضامندی بھی بہت بڑی ہے"۔

یہاں " رِضْوَانٌ " نکرہ اظہار قلت کے لئے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر کچھ نوجواں ہیں، طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر

یہاں "کچھ نوجواں" نکرہ اظہار قلت کے لئے ہے۔

(۴) کبھی مسند الیہ کی تکثیر کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے :-

" إِنَّ لَهُ لَإِبِلًا وَإِنَّ لَهُ لَغَنَمًا " اس کے پاس بہت سے اونٹ ہیں اور بہت سی

بکریاں ہیں۔" یہاں "ابلاً" اور "غنماً" کی تنکیر اظہارِ کثرت کے لئے ہے۔
اردو میں جیسے ؎

ہے اس مملکت کی عجب گلزمیں کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں

یہاں "پھول" نکرہ اظہارِ کثرت کے لئے ہے۔ یعنی یہاں پھول انتہائی کثرت سے ہوتے ہیں۔

(۵) کبھی مسندالیہ کی تعظیم یا تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ جیسے :؎

لَہٗ حَاجِبٌ عَنْ کُلِّ اَمْرٍ یَشِیْنُہٗ وَلَیْسَ لَہٗ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

ترجمہ :۔ ممدوح کو ہر ایسے امر سے جو اسے عیب دار کرے ایک بڑا روکنے والا ہے اور اگر کوئی اس سے احسان کا طالب ہو تو اسے اس کو عطا کرنے سے کوئی چھوٹا اور معمولی روکنے والا بھی نہیں ہے۔

اس میں پہلے "حَاجِبٌ" کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور دوسرے "حَاجِبٌ" کی تحقیر کے لئے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

بسترِ رنج و کنجِ تنہائی رات کیسا آئی اک بلا آئی

یہاں "اک بلا" نکرہ تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی بڑی بلا آئی۔

مسندالیہ کے موصوف لانے کے اسباب اور فوائد

(۱) کبھی مسندالیہ کے لئے صفت اس لئے لاتے ہیں کہ صفت مسندالیہ کے معنی کو واضح کرتی ہے۔ جیسے :۔

"اَلْعَالِمُ الْتَقِیُّ الْمُتَوَرِّعُ الْعَامِلُ بِالسُّنَّۃِ مِنْ وَرَثَۃِ الْاَنْبِیَاءِ" "تقویٰ شعار پرہیزگار، عامل بالسنت عالم انبیاء کا وارث ہے"۔

یہاں پر عالم کی تینوں صفتیں اس کے معنی کو واضح کرنے کے لئے ہیں۔

اردو میں جیسے ؎

پڑے عکس اسکے لب سرخ کا گر ساغر میں ہو خجالت سے وہیں بادۂ گلفام سفید

اس مثال میں "لب" کے لئے "سرخ" اور "بادہ" کے لئے "گلفام" کی قید توضیح کے لئے ہے۔

(۲) کبھی مسندالیہ کے لئے صفت لاکر اس کی تخصیص مقصود ہوتی ہے۔ جیسے:

زَیدٌ التَّاجِرُ عِندَنَا "تاجر زید ہمارے پاس ہے"۔

"زید" کہنے کے بعد سننے والے کو احتمال تھا کہ اس کے پاس کون زید ہے؟ زید تاجر یا زید غیر تاجر؟ "التاجر" کہنے سے وہ احتمال ختم ہو گیا کیونکہ اب زید کی تخصیص ہو گئی

(۳) کبھی مسندالیہ کی مدح کے لئے اس کی صفت لاتے ہیں۔ جیسے:۔

"جَاءَنِی زَیدٌ الْعَالِمُ" "میرے پاس زید عالم آیا"۔

اس میں "العالم" صفت مسندالیہ "زیدٌ" کی مدح کے لئے ہے۔

اردو میں جیسے ؎

دوش فلک پہ دیکھ کے نعش شہید عشق حوروں کو یہ گمان ہے عرش بریں نہو

اس میں "بریں" صفت "عرش" کی مدح کے لئے ہے۔

(۴) کبھی مسندالیہ کی مذمت کے لئے اس کی صفت لاتے ہیں۔ جیسے:۔

"جاءنی بکرٌ الجاھلُ" "میرے پاس بکر جاہل آیا"۔ اس میں "الجاھلُ" صفت "بکر" کی مذمت کے لئے ہے۔

فائدہ: صفت مدح اور ذم کے لئے اس وقت ہوتی ہے جب مسندالیہ صفت کے ذکر کرنے سے پہلے متعین ہو۔ اور اگر متعین نہو تو وہ صفت تخصیص کیلئے ہو گی

(۵) کبھی مسند الیہ کی تاکید کے لئے اس کی صفت لاتے ہیں۔ جیسے "اَمْسِ الدَّابِرُ کَانَ یَوْمًا عَظِیْمًا"، کل گزشتہ بڑا دن تھا۔ اس میں "الدابر" امس" کی تاکید کے لئے ہے۔ اردو میں جیسے "شہد شیریں" اور "تیشۂ فولاد" اسمیں "شیریں" اور "فولاد" "شہد" اور "تیشہ" کی تاکید کے لئے ہے۔

مسند الیہ کے مؤکّد لانے کے اسباب

(۱) کبھی مسند الیہ کو مؤکد اس لئے لاتے ہیں تاکہ وہ سامع کے ذہن میں پوری طرح ثابت اور مقرر ہو جائے کہ دوسرے کا شبہ نہ رہے۔ جیسے "جَاءَ زَیْدٌ زَیْدٌ"، "زید آیا زید"۔ یہاں دوسرا "زید" تاکید کے لئے اس لئے لائے تاکہ سامع کے ذہن میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ زید ہی آیا ہے کوئی دوسرا نہیں۔

(۲) کبھی معنی مجازی کے وہم کو دفع کرنے کے لئے تاکید لاتے ہیں۔ جیسے:
"قَطَعَ السُّلْطَانُ نَفْسُهٗ یَدَ اللِّصِّ" "بادشاہ نے خود چور کا ہاتھ کاٹا"۔
یہاں "نفسہ" مسند الیہ "السلطان" کی تاکید اس لئے لائے تاکہ سامع یہ نہ سمجھ لے کہ ہاتھ تو سپاہیوں نے کاٹا ہوگا، بادشاہ نے چونکہ حکم دیا ہے اس لئے مجازاً اس کی طرف نسبت کر دی۔ تو "نفسہ" لاکر اس مجاز کے وہم کو دور کر دیا کہ بادشاہ نے خود کاٹا ہے۔

(۳) کبھی اس لئے مؤکد لاتے ہیں کہ سامع یہ نہ سمجھ لے کہ مسند الیہ اپنے تمام افراد کو شامل نہیں ہے۔ جیسے "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" "پس کُل کے کل فرشتوں نے سجدہ کیا۔"
یہاں سامع کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ کُل ملائکہ نے سجدہ نہیں کیا۔ یا سب نے اکٹھا نہ کیا ہو

اس لئے "کلھم" اور "اجمعون" کے ذریعہ مؤکد کر کے ان دونوں وہم کو دور کر دیا۔

مسند الیہ کے عطف بیان لانے کا سبب

مسند الیہ کے بعد عطف بیان اس لئے لاتے ہیں تاکہ مسند الیہ کی تشریح اور وضاحت اس کے خاص نام سے کی جائے۔ جیسے ع "اَقسَمَ بِاللہِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ" "حضرت ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی"۔ اس میں "عمر" "ابو حفص" کا عطف بیان اس کی وضاحت کے لئے ہے۔

مسند الیہ کے بدل لانے کا سبب

مسند الیہ کا بدل زیادتِ تقریر کے لئے لاتے ہیں۔ جیسے "جاءنی زیدٌ اخوک" آیا میرے پاس زید تیرا بھائی۔ اس میں "زید" کا بدل "اخوک" اس کی مزید تقریر اور تثبیت کے لئے ہے۔

مسند الیہ کو معطوف علیہ لانے کے اسباب

(۱) کبھی مسند الیہ پر عطف اس لئے کرتے ہیں کہ اختصار کے ساتھ مسند الیہ کی تفصیل کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جیسے "جاءَنی زیدٌ وعمرٌو" "میرے پاس زید اور عمرو آئے" اس میں مسند الیہ (فاعل) کی تفصیل مقصود ہے کہ وہ "زید" بھی ہے اور "عمرو" بھی۔ اور ساتھ ہی اختصار بھی ہے۔ اگر "جاءنی زید وجاءنی عمرو" کہتا تو اختصار نہ ہوتا۔

(۲) کبھی سامع کو غلطی سے بچانے اور صحیح بات کی طرف لانے کیلئے عطف کرتے ہیں

جیسے "جاء نی زیدٌ لا عمرٌو" "میرے پاس زید آیا عمرو نہیں"۔
سامع کا خیال تھا کہ تمھارے پاس "عمرو" آیا ہے یا زید و عمرو دونوں آئے ہیں تو تم نے اس کو اس غلط خیال سے بچا کر صحیح بات بتادی کہ زید آیا ہے عمرو نہیں۔
(۳) کبھی متکلم کے شک و شبہ میں رہنے کی وجہ سے اور کبھی سامع کو شک میں ڈالنے کی غرض سے عطف کرتے ہیں۔ ان دونوں کی مثال جیسے :۔
"جاء زیدٌ او عمرٌو" زید آیا یا عمرو۔
متکلم کو خود شک ہے اس لئے "اَوْ" حرف عطف لایا۔ تو اس وقت یہ "شک" کی مثال ہے۔ اور اگر متکلم کو شک نہیں ہے بلکہ وہ سامع کو آنے والے کے بارے میں شک میں ڈالنا چاہتا ہے تو یہ "تشکیک" (شک میں ڈالنے) کی مثال ہے۔
(۴) کبھی حکم کو ایک محکوم علیہ سے دوسرے کی طرف پھیرنے کیلئے عطف کرتے ہیں، جیسے "جاء نی زیدٌ بل عمرٌو" زید آیا بلکہ عمرو۔
اس میں "زید" محکوم علیہ سے دوسرے محکوم علیہ "عمرو" کی طرف حکم پھیرنے کے لئے "بَلْ" لاکر عطف کیا۔

مسندالیہ کے بعد ضمیر فصل لانا

کبھی مسندالیہ کے بعد ضمیر فصل لاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ مسندالیہ مسند کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے "اِنّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ" بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے۔ اس میں "ھو" ضمیر فصل نے یہ فائدہ دیا کہ "رزاقیت" اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

مسند الیہ کی تقدیم کے اسباب

مسند الیہ کو مسند پر کئی وجوہ اور اسباب سے مقدم کرتے ہیں۔

(۱) اس لئے کہ مسند الیہ کا مقدم کرنا اصل ہے اور اس کے مؤخر لانے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ جیسے " زیدٌ جالِسٌ "، "زید بیٹھا ہے"۔

(۲) اس لئے کہ خبر (مسند) سامع کے ذہن میں خوب جم جاوے اس طرح پر کہ جب مسند الیہ کو پہلے لائیں گے تو خبر سننے کا اشتیاق ہوگا اور جب اشتیاق کے بعد خبر کو سُنے گا تو وہ ذہن میں خوب جم جائے گی۔ جیسے ؎

وَالَّذِی حَارَتِ الْبَرِیَّۃُ فِیْہِ   حَیَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ

ترجمہ :- وہ چیز جس کے بارے میں مخلوق حیران ہے وہ جانور ہے جو جماد یعنی بے جان شے مٹی اور سڑی ہوئی ہڈیوں سے از سر نو پیدا ہونے والا ہے۔

اس میں "الذی" اپنے صلہ سے مل کر مسند الیہ (مبتدا) ہے اس کو سن کر شوق ہوا کہ حیران کرنے والی چیز کیا ہے۔ اس کا جواب دوسرے مصرع میں دیا گیا جو مسند ہے جس سے خبر خوب ذہن نشین ہو گئی۔ اردو میں جیسے ؎

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں   سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

پہلا مصرعہ مسند الیہ ہے اس کو سن کر سامع متحیر ہوا کہ "آتش دوزخ" سے بھی زیادہ گرم کیا چیز ہے اس لئے خبر سننے کا مشتاق ہوا جو دوسرے مصرع میں مذکور ہے۔

(۳) اس لئے تاکہ مسرت اور خوشی کو عجلت کے ساتھ پیش کردے بطور نیک فالی کے۔ جیسے " سعدٌ فی دارِکَ "، "سعد تمھارے گھر میں ہے"۔ "سعد" کے لغوی معنی برکت اور خوش بختی کے ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

خوبی و خرمی و راحت و آرام و سرور	تیرے دروازے کی تاحشر نہ چھوڑیں چوکھٹ

پہلے مصرعہ میں پانچوں مسندالیہ ایسے ہیں جن کو سن کر مسرت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) اس لیے تاکہ بُرائی کو عجلت کے ساتھ پیش کر دے بطور بدفالی کے، جیسے "السَّفَّاحُ فِی دَارِكَ" "سفّاح تمھارے گھر میں ہے"۔

سفّاح کے معنی خونریز کے ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

کشتنِ خلق اس کا سدا کام ہے	مرگ و قضا صفت میں بدنام ہے

"مرگ و قضا" مسندالیہ کو اس لیے مقدم کیا تاکہ بُرائی کی اس بات کو عجلت کے ساتھ پیش کر دے۔

تاخیرِ مسندالیہ : کبھی مسندالیہ کو مؤخر لاتے ہیں کیونکہ مقام کا تقاضا ہوتا ہے کہ مسند کو مقدم لائیں۔ جب مسند مقدم ہو گا تو مسندالیہ خود بخود مؤخر ہو جائے گا۔ مسند کی تقدیم کے وجوہ اور اسباب کا بیان مسند کے باب میں آئے گا۔

فائدہ : یہ جو کچھ حذف اور ذکر وغیرہ کے اسباب بیان کئے گئے یہ سب مقتضائے ظاہر حال کے مطابق تھا۔ لیکن کبھی کچھ خاص نکتوں کی وجہ سے مقتضائے ظاہر کے خلاف بھی کلام لایا جاتا ہے۔ مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ انھیں میں سے "التفات" اور "تغلیب" کا بھی طریقہ ہے۔

التفات : کلام کو تکلم، خطاب اور غیبت کی حالتوں میں سے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا۔ جیسے :

"اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" "بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے پس آپ اپنے رب کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے"۔

اس میں پہلے "اِنَّا" متکلم کی ضمیر لائے، اس کے بعد "لِرَبِّكَ" میں اللہ تعالیٰ نے

اپنے لئے " رب " کا کلمہ استعمال فرمایا۔ اس طرح اس میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے۔ اردو میں جیسے ؎

بڑھایہ پایۂ الہام رائے صائب سے | کہ مشورے پہ ہوئی اسکے وحی بھی نازل
یقیں کہ راہ نمائی ہے پیروی اسکی | نہیں تو سائے سے کیوں بھاگتا ہے دیو ضل
مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط | کہ بت پرست کہاں فارق حق و باطل

یہ اشعار امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ہیں۔ اس میں پہلے ممدوح کو غائب فرض کرکے اوصاف بیان کئے۔ پھر غیبت سے خطاب کی طرف التفات کیا یعنی حاضر کرکے مدح شروع کی۔

تغلیب : دو چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر اس طرح غالب کرنا اور ترجیح دینا کہ ایک لفظ کو دوسرے پر اطلاق کرسکیں۔ جیسے " اَبَوَین " کا اطلاق " ماں باپ پر "۔ " قمرین " کا اطلاق " چاند سورج پر " اور " عمرین " کا اطلاق " خلیفہ اول ثانی پر "، " تغلیباً " ہے۔

سوالات

(۱) مسندالیہ کے اسباب حذف میں سے کوئی تین سبب بتلائیے اور ان کی مثالیں بھی دیجئے۔

(۲) بتائیے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ کس کی مثال ہے اور کس طرح ؟

(۳) ع وہی ہے دریا وہی ہے کشتی اسی کا جلوہ حباب میں ہے۔ بتائیے یہ مصرعہ کس کی مثال ہے اور کس طرح۔ اور کتاب میں اسکی عربی مثال کیا دی گئی ہے ؟

(۴) فَغَشِیَهُمْ مِنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ کس کی مثال ہے اور کس طرح ؟

(۵) مسندالیہ کو عَلَم لاکر معرفہ بنانے کے اسباب میں سے کوئی تین سبب مع مثالوں کے بتائیے۔

(۶) مسندالیہ کے موصوف لانے کے اسباب کیا ہیں ؟

(۷) ؎ لمحاجب عن کل امر یشینہ ۔ ولیس لہ عن طالب العرف حاجب

بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح ؟

(۸) مسندالیہ کے بعد ضمیر فصل کیوں لاتے ہیں ؟ مثال دیکر واضح کیجئے۔

(۹) سعدٌ فی دارك کس کی مثال ہے اور اردو میں اسکی کیا مثال کتاب میں دی گئی ہے۔ ؟

(۱۰) بتائیے "مشرقین" کس کی مثال ہے ؟

بَاب سوم - مسند

مسند کے ذکر اور حذف کے اسباب وہی ہیں جو مسند الیہ کے بیان میں گزرے۔

مسند کو جملہ لانا: مسند کو جملہ دو وجہ سے لاتے ہیں۔

(۱) جبکہ مسند سببی ہو۔ (۲) جبکہ مسند تقوِیِ حُکم کا فائدہ دے۔

فائدہ: سببی اس جملہ کو کہتے ہیں جو کسی مبتدا پر کسی ایسی ضمیر عائد کے ذریعہ محمول ہو جو اس جملہ میں مسند الیہ نہ واقع ہو۔ یا بالفاظ دیگر جس میں اسناد کسی کے واسطہ اور سبب سے ہو۔ جیسے "زَیْدٌ اَبُوْہُ مُنْطَلِقٌ" "زید اس کا باپ چلنے والا ہے"۔

اس میں "ابوہ منطلق" ایک ایسا جملہ ہے جو "زید" مبتدا پر "ابوہ" کی ضمیر کے ذریعہ محمول ہے اور یہ ضمیر اس جملہ میں مسند الیہ نہیں ہے۔

تقوِیِ حکم سے مراد مسند کے اندر تکرار اسناد کے ذریعہ حکم کو مؤکد کرنا ہے۔

جیسے "زیدٌ قامَ"، "زید کھڑا ہے وہ"۔

اس جملہ میں تقوی حکم ہے۔ کیونکہ اس میں اسناد دو دفعہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ "قام" کا اسناد اس کی ضمیر کی طرف ہوا، پھر دوسری دفعہ "زید" کی طرف۔

مسند کو مفرد لانا: مسند کو کبھی مفرد لاتے ہیں جبکہ وہ سببی نہ ہو اور تقوی حکم کا افادہ بھی مقصود نہ ہو۔ جیسے "زیدٌ عالمٌ"، "زید عالم ہے"۔ اس میں "عالم" مسند مفرد ہے جو نہ سببی ہے نہ مفید تقوی حکم۔

مسند کو فعل لانا: مسند کو کبھی فعل لاتے ہیں جبکہ اس کو اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ مقید کرنا اور تجدد (یعنی بار بار فعل ہونے) کا فائدہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے سه

أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ   بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

ترجمہ: کیا جب کوئی قبیلہ بازار عکاظ میں وارد ہوگا تو وہ اپنے نمائندہ کو میرے پاس بھیجتے رہیں گے تاکہ وہ بار بار دیکھ کر مجھ کو خوب پہچان لے۔

اس شعر میں لفظ "یتوسم" مسند اور فعل ہے جو زمانہ پر اور تجدد یعنی بار بار فعل کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

آستانِ یار سے اُٹھنے کا قصد آتش نکر   چھوڑ کر اس در کو سر دیوار سے ٹکرائے گا

اس میں "ٹکرائے گا" مسند اور فعل ہے جو زمانہ اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں پر مسند اگر فعل نہ لاتے تو زمانہ بتانے کے لئے "الیوم" (آج) "امس" (کل) وغیرہ کے الفاظ لانے پڑتے۔ جس میں اختصار نہ رہ جاتا۔

مسند کو اسم لانا: مسند کو کبھی اسم لاتے ہیں جبکہ کسی زمانہ کے ساتھ مقید کرنا اور تجدد مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ دوام اور ثبوت مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

لَا يَأْلَفُ الدِّرْهَمَ الْمَضْرُوْبُ صُرَّتُنَا   لٰكِنْ يَمُرُّ عَلَيْهَا وَهُوَ مُنْطَلِقُ

ترجمہ: ہماری تھیلی کو درہم سے محبت نہیں ہے انھیں روک کر نہیں رکھتی بلکہ درہم آتے ہیں چلے جاتے ہیں اور وہ تھیلی میں ٹھہرتے نہیں گویا کہ وہ تھیلی میں ہو کر گزرتے ہیں اس حال میں کہ وہ چلنے والے ہی رہتے ہیں۔

یہاں "منطلق" مسند ہے اور اسم ہے جو درہم کے لئے انطلاق یعنی چلنے کو دوام ثابت کرتا ہے کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔ اردو میں جیسے ؎

آنکھوں کے نشے جس کے عالم سے نرالے ہیں   اس مست کے اے نرگس ہم دیکھنے والے ہیں

"دیکھنے والے" مسند اور اسم ہے جو ثبوت پر دلالت کرتا ہے یعنی اس کا دیکھنا ہمارے لئے ثابت ہے۔

فعل مسند کو مقیّد کرنا : کبھی فعل مسند کو کسی معمول (مثلاً مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول لہٗ، مفعول معہٗ، حال، تمیز، استثنار) کے ساتھ فائدہ بڑھانے کیلئے مقید کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے کہا "زید حفظ القرآن" "زید نے قرآن حفظ کیا"۔ مسند اور مسند الیہ مل کر بات پوری ہوگئی۔ اب آگے "سنۃ کذا" (فلاں سنہ میں) ایک متعلق سے اس کو مقید کر دیا تو فائدہ بڑھ گیا۔

فعل مسند کو مقید نہ کرنا : کبھی فعل مسند کو مقید نہیں لاتے جبکہ کوئی امر مانع ہو۔ مثلاً فرصت کا نہونا یا یہ ارادہ کرنا کہ سامعین اس قید سے واقف نہوں۔

مسند کو نکرہ لانے کے اسباب

(۱) جب کہ حصر و عہد مقصود نہو۔ جیسے "زیدٌ کاتبٌ"، "زید کاتب ہے"۔ یہاں "کاتب" مسند نکرہ ہے۔ اس پر اگر الف لام داخل کرکے معرفہ بنا دیں تو حصر و عہد کا فائدہ دے گا۔ اور وہ یہاں مقصود نہیں ہے۔

(۲) جب کہ مسند کی تفخیم مقصود ہو۔ جیسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" "یہ کتاب ایک بڑی ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے"۔
"هدًى" مسند ہے اور نکرہ ہے۔ عظمت شان کے اظہار کی غرض سے اس کا مسند الیہ (مبتدا) "ذالك الكتاب" ہے۔ یا "هو" ہے جو محذوف ہے۔

(۳) جب کہ مسند کی تحقیر مقصود ہو۔ جیسے "مَا زیدٌ شیئًا" "زید کچھ نہیں ہے"، "شیئًا"، مسند نکرہ ہے اظہار حقارت کے لئے۔

مسند کو معرفہ لانا : مسند کو کبھی معرفہ لاتے ہیں تاکہ کسی امر معلوم پر کسی امر معلوم کا حکم ایسے دوسرے امر معلوم سے دیں جو سامع کو پہلے سے تعریف کے طریقوں

ین سے کسی طریقہ سے معلوم ہو۔ جیسے "الرَّاكِبُ هُوَ الْمُنْطَلِقُ" جو سوار ہے وہ
چلنے والا ہے۔ یہاں پر سامع "راکب" (سوار) کو معرف باللّام کے طریقہ سے جانتا
ہے کہ "راکب" فلاں شخص ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ابھی کوئی آدمی اس راستہ سے
گیا ہے لیکن اس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ وہ جانے والا راکب ہی ہے اس لئے راکب
پر (جو ھو ضمیر کا مرجع ہے) "المنطلق" کا حکم کر دیا تاکہ سامع کو معلوم ہو جائے کہ
وہ چلنے والا راکب ہی ہے، دوسرا نہیں۔

تقدیم مسند کے اسباب

(۱) کبھی مسند کو اس لئے مقدم کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ مسند، مسند الیہ کے
ساتھ خاص ہے۔ جیسے "لَا فِيهَا غَوْلٌ" جنت ہی کی شرابوں میں نشہ نہیں ہے۔
یعنی یہ اسی کی خصوصیت ہے برخلاف دنیا کی شرابوں کے کہ اسمیں نشہ ہے۔
(۲) کبھی تفاؤل (یعنی فال نیک لینے) کی غرض سے مسند کو مقدم کرتے ہیں
جیسے نع "سَعِدَتْ بِغُرَّةِ وَجْهِكَ الْأَيَّامُ"، ترجمہ: تیرے چہرہ کے
حسن وجمال سے ایام خوش بخت وسعید ہو گئے۔
یہاں "سعدت" مسند کو بطور تفاؤل مقدم کیا۔
(۳) کبھی اس لئے مقدم کرتے ہیں تاکہ مسند الیہ کی طرف شوق و رغبت ہو

جیسے ؎

ثَلٰثَةٌ تُشْرِقُ الدُّنْيَا بِبَهْجَتِهَا ۔۔۔ شَمْسُ الضُّحٰى وَأَبُو اِسْحٰقَ وَالْقَمَرُ

ترجمہ: تین ہیں جن کی چمک دمک سے دنیا روشن ہو گئی۔ وقتِ چاشت کا
آفتاب، ابو اسحٰق (خلیفہ عباسی) اور ماہتاب۔

جب پہلا مصرعہ کہا جو کہ مسند ہے تو مسند الیہ کی طرف اشتیاق ہوا کہ وہ کون ہیں جن سے دنیا روشن ہے۔

(۴) کبھی مسند کو اس لئے مقدم کرتے ہیں تاکہ شروع سے ہی یہ تنبیہہ ہو جائے کہ یہ خبر ہے صفت نہیں ہے۔ جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں ؎

لَهٗ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

ترجمہ: آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمتوں میں سے جو بڑی ہمت ہیں، ان کی تو کوئی حد ہی نہیں، آپ کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت کا یہ حال ہے کہ وہ سارے زمانہ کی تمام ہمتوں سے بڑی ہے۔

اس میں "لہ" مسند (خبر) مقدم ہے اور "کلھم" (مسند الیہ) موخر۔ اگر شاعر مسند (خبر) کو مقدم نہ کرتا اور "ھمم لہ" کہتا تو مسند کے صفت ہونے کا گمان ہوتا۔ اس لئے اس کو مقدم کر کے شروع میں تنبیہہ کر دی۔

تاخیر مسند: مسند کو مؤخر وہاں لاتے ہیں جہاں مقام کا تقاضا ہوتا ہے کہ مسند الیہ کو مقدم کیا جائے۔ پس جب مسند الیہ مقدم ہو گا تو مسند خود ہی مؤخر ہو جائے گا۔ اور تقدیم مسند الیہ کے اسباب کا بیان گزر چکا۔

مسند کو موصوف اور مضاف لانا: کبھی مسند کو موصوف اور مضاف کر کے لاتے ہیں تاکہ فائدۂ کلام بدرجہ اتم حاصل ہو۔ جیسے "زیدٌ رجلٌ عالمٌ" "زید اک عالم مرد ہے"۔ اور

"زیدٌ غلامُ رجلٍ" زید ایک مرد کا غلام ہے۔

سوالات

(۱) بتلایئے سببی سے کیا مراد ہے ؟

(۲) تقوّیٔ حکم کسے کہتے ہیں ؟ مثال دیکر سمجھایئے۔

(۳) مسند کو جملہ کب لاتے ہیں ؟

(۴) او کلما وردت عکاظَ قبیلۃٌ۔ بعثوا الیَّ عریفھم یتوسّم
اس شعر کا ترجمہ کیجئے اور بتایئے کہ یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح۔ اور کتاب میں اس کی اردو مثال کیا دی گئی ہے ؟

(۵) فعل مسند کو مقید کیوں لاتے ہیں ؟ مثال بھی دیجئے۔

(۶) ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کس کی مثال ہے ؟

(۷) مسند کو معرفہ کیوں لاتے ہیں ؟

(۸) تقدیم مسند کے اسباب بیان کیجئے۔

بَاب چہارم ۔ متعلقاتِ فعل

فعل متعدی کا تعلق فاعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور مفعول کے ساتھ بھی کہ مفعول کے ذکر کے بغیر معنی تام ہی نہیں ہوتا۔ اور مفعول کے ذکر سے غرض یہ بتانا ہوتا ہے کہ فعل اس کے ساتھ متلبس اور ملا ہوا ہے۔ پس اگر فعل متعدی کا مفعول مذکور نہ ہو اور غرض صرف یہ ہو کہ فعل کا فاعل کے لئے ثابت ہونا یا ثابت نہ ہونا معلوم ہو جائے تو ایسے موقع پر فعل متعدی کو مثل فعل لازم کے بنا لیتے ہیں اور اس کے لئے کوئی مفعول مقدر بھی نہ مانا جائے گا۔ کیونکہ مقدر تو بمنزلہ مذکور ہی کے ہوتا ہے۔ جیسے

" قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ "

کہہ دیجئے اے پیغمبر! کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو حقیقت علم کو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔ اس میں " یعلمونَ " اور " لا یعلمون " (جو کہ فعل متعدی ہیں) کا مفعول محذوف ہے اور مقدر بھی نہیں بلکہ اس فعل متعدی کا کسی معمول سے تعلق نہیں۔ اردو میں جیسے ؎

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز — کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

یہاں "پڑھایا" فعل متعدی ہے اور اس کے باوجود اس کا مفعول محذوف ہے اور مقدر بھی نہیں۔ کیونکہ کوئی مفعول ہم مقرر نہیں کر سکتے۔

اور اگر مفعول عبارت میں تو محذوف ہو لیکن متکلم کا مقصود یہ بھی بتانا ہو کہ وہ فعل کس پر واقع ہوا ہے اور کس پر نہیں۔ یعنی فعل کا تعلق مفعول غیر مذکور سے ہو تو اس وقت جیسا قرینہ ہو گا اسی کے مطابق مفعول کا مقدر ماننا واجب ہے جیسے:۔

" زَيْدٌ مُتَمَلِّقٌ يَخْدِمُ " (اَىْ يَخْدِمُ الْاُمَرَاءَ) "خوشامدی زید خدمت کرتا ہے"

(یعنی امیروں کی)، یہاں پر مثال میں "یخدم" فعل متعدی کا مفعول یعنی "الأمراء" محذوف تھا لیکن مقدر مانا گیا۔

حذف مفعول کے اسباب :

(۱) یہ سبب ہوتا ہے کہ ابہام کے بعد اس کو بیان کیا جائے۔ جیسا کہ "مشیت" کے فعل کے مفعول کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے " فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ " پس اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت عطا فرماتا۔

یہاں " شاء " فعل کا مفعول یعنی "هِدَايَتَكُمْ" محذوف ہے۔ کیونکہ جب بعد میں آگے " لَهَدَاكُمْ " فرمایا تو یہ بیان ہو گیا جس نے ابہام کو دور کر دیا۔

اردو میں جیسے ع گدا کو چاہے تو اک دم میں بادشاہ کرے

یہاں "چاہے" فعل کا مفعول یعنی "بادشاہ کرنا" محذوف ہے۔

(۲) کبھی اس سبب سے مفعول حذف کرتے ہیں کہ اگر حذف نہ کریں تو ابتدا میں دوسرے مطلب کا وہم ہو جو مقصود نہیں ہے۔ جیسے ؎

وَكَمْ ذُدْتُ عَنِّي مِنْ تَحَامُلِ حَادِثٍ   وَسَوْرَةِ أَيَّامٍ حَزَزْنَ إِلَى الْعَظْمِ

ترجمہ : بہت دفعہ میں نے اپنے اوپر سے مصیبت کے ظلم اور دنیا کے حملوں کو دفع کیا یہ حملے ایسے تھے جو کاٹ کر ہڈی تک پہنچ گئے۔

یہاں پر اگر "حززن" کے مفعول "اللحم" کو ذکر کر دیتا تو ابتداءً "الی العظم" کے ذکر سے پہلے یہ وہم ہوتا کہ گوشت کاٹ ہڈی تک نہیں پہنچا۔ مفعول کے حذف کرنے سے معلوم ہوا کہ سارا گوشت کاٹ ڈالا یہاں تک کہ ہڈی تک پہنچ گیا۔

(۳) کبھی اس لئے مفعول کو حذف کرتے ہیں تا کہ اختصار کے ساتھ ساتھ مفعول کو عام کیا جا سکے۔ جیسے " وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَى دَارِ السَّلَامِ " (أي كُلَّكُمْ) " اور

اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے (یعنی سب کو)

(۴) کبھی اس لئے حذف کرتے ہیں تاکہ فاصلہ کا لحاظ کیا جائے۔ جیسے :۔

"مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى" نہیں چھوڑا آپ کے رب نے اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۔

یہاں اگر "وما قلاك" ہوتا تو "والضحیٰ" و "سجیٰ" وغیرہ تو اصل کی مطابقت نہ ہوتی۔

(۵) کبھی اس لئے حذف کرتے ہیں کہ اس کا ذکر نامناسب اور قبیح ہوتا ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد کہ "مَا رَأَيْتُهُ مِنْهُ وَلَا رَاٰى مِنِّي" "نہ میں نے آپ کی دیکھی اور نہ آپ نے میری دیکھی"۔

یہاں فعل "رأیتُ" اور "رای" کا مفعول "العورۃ" اس لئے محذوف ہے کہ اس کا ذکر قبیح اور نامناسب ہے۔

(۶) کبھی اس ارادہ سے مفعول کو حذف کرتے ہیں کہ دوسری دفعہ مفعول کو صراحۃً ذکر کریں۔ تاکہ اس کی طرف پوری توجہ ہو۔ جیسے ؎

قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّوْدَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ مِثْلًا

ترجمہ : ہم نے تلاش کیا تو سرداری، عزت اور مکارم اخلاق میں تیری مثال نہیں پائی۔

اس میں "طلبنا" کا مفعول "مثلاً" کو حذف کر دیا تاکہ "لم نجد" کے بعد صراحت کے ساتھ اس کو ذکر کرسکیں۔ اردو میں جیسے ؎

علم میں، حلم میں، انصاف میں ہر خوبی میں ہم نے ڈھونڈھا نہ ملا مثل ترا عالم میں

اس میں ڈھونڈھا کا مفعول "تیرا مثل" حذف کر دیا تاکہ بعد میں اس کو صراحت کے ساتھ ذکر کریں۔

تقدیم مفعول کے اسباب

(۱) کبھی تخصیص اور حصر کے لئے مفعول کو مقدم کرتے ہیں جیسے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ یہاں پر "ایاک" مفعول کی تقدیم حصر کا فائدہ دے رہی ہے۔

(۲) ایک وجہ یہ ہے کہ سامع کو مفعول کی تعیین میں دھوکہ ہو رہا تھا اس لئے متکلم نے اس کو رد کر کے مفعول کو متعین کر دیا۔ مثلاً کسی کا خیال ہے کہ تم نے جس کو دیکھا ہے وہ زید نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا ہے۔ اس سے تم نے کہا کہ "زیداً رأیتُ" "زید ہی کو میں نے دیکھا ہے"۔ یہاں "زیداً" مفعول کو سامع کی غلطی کا رد کرنے کے لئے مقدم کیا۔

معمولاتِ فعل کی تقدیم

(۱) فعل کے بعض معمولات کو بعض پر اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ یہی اصل ہے۔ اور اصل سے پھیرنے کا کوئی سبب بھی نہیں ہے۔ جیسے "ضَرَبَ زیدٌ عمرواً" "زید نے عمرو کو مارا"۔ کہ اس طرح کے جملوں میں فاعل، مفعول جو فعل کے معمول ہیں، سب اپنی اصل جگہ پر ہیں۔

(۲) فاصلے کی رعایت کی وجہ سے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کر دیتے ہیں جیسے "فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی"، "سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا"۔ اس میں "فی نفسہٖ" جار مجرور کو فاعل سے پہلے لائے تاکہ فواصل مل جائیں کیونکہ فاصلہ "یوحیٰ، کبریٰ، اولیٰ" وغیرہ کا لایا گیا ہے۔ اس لئے فاعل "موسیٰ" کو آخر میں لائے۔

(۳) کبھی معمولات میں سے بعض کو بعض پر اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ مقدم کا ذکر بہت اہم ہوتا ہے۔ جیسے "قَتَلَ الخارجیَّ فلانٌ" خارجی کو فلاں نے مار ڈالا۔" یہاں "الخارجیَّ" مفعول کو فاعل پر بوجہ اس کے اہم ہونے کے مقدم کیا۔

فائدہ: ادیبوں کے کلام میں جس کو نظم میں قافیہ اور نثر میں سجع کہتے ہیں حق تعالیٰ کے کلام میں اسی کو "فاصلہ" کہتے ہیں۔

سوالات

(۱) فعل متعدی کو مثل فعل لازم کے کب بناتے ہیں اور اس کیلئے کس صورت میں مفعول مقدر مانا جائے گا اور کس صورت میں نہیں۔ تفصیل کے ساتھ بتائیے۔

(۲) ؎ آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز۔ کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا
بتائیے یہ شعر کتاب میں کس کی مثال میں لایا گیا ہے اور عربی میں اس کی کیا مثال دی گئی ہے؟

(۳) حذف معمول کے کچھ اسباب مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۴) تقدیم مفعول کے اسباب بیان کیجئے۔

(۵) بتائیے کہ فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ اور مثالیں بھی دیجئے۔

بابِ پنجم۔ قصر

قصر کی لغوی و اصطلاحی تعریف : لغت میں "قصر" کے معنیٰ مقید کرنے اور منحصر کرنے اور روکنے کے ہیں۔ اور بلاغت کی اصطلاح میں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ ایک خاص طریقہ پر مخصوص کرنے کو قصر کہتے ہیں۔

قصر کی قسمیں : قصر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قصر حقیقی (۲) قصر غیر حقیقی یا قصر اضافی۔

قصر حقیقی : ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ باعتبار حقیقت کے خاص کرنا اس طرح کہ پہلی شے دوسری شے کے علاوہ کسی شے میں بھی نہ پائی جائے۔ جیسے :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے۔"

اس میں معبود ہونے کا قصر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے میں معبودیت نہیں پائی جاسکتی۔

قصر اضافی : ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ بہ نسبت کسی معین شے کے خاص کرنا حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔ جیسے "لَا شُجَاعَ اِلَّا حَسَنٌ" "حسن ہی بہادر ہے"۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حسن کے علاوہ دنیا میں کوئی بہادر ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص حسن اور سعید دونوں کو بہادر سمجھتا تھا تو اس سے کہا گیا کہ حسن ہی بہادر ہے۔ یعنی بہ نسبت سعید کے، کہ سعید بہادر نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ سعید کے علاوہ کوئی دوسرا بھی بہادر ہو۔

قصر حقیقی اور قصر اضافی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں :-

قصر حقیقی کی دو قسمیں

(۱) موصوف کا صفت پر قصر حقیقی۔ یعنی موصوف میں اس صفت کے علاوہ کوئی دوسری صفت حقیقت کے اعتبار سے نہ پائی جائے۔ جیسے "مَا زَیْدٌ اِلَّا کَاتِبٌ" زید کاتب ہی ہے۔ یعنی اس میں کتابت کے علاوہ کوئی اور صفت حقیقت کے اعتبار سے پائی ہی نہیں جاتی۔

اس میں زید کا قصر کیا گیا ہے "کتابت" پر۔ پس زید مقصور ہے اور کاتب مقصور علیہ واضح رہے کہ یہ مثال فرض کر لی گئی ہے۔ ورنہ کوئی ایسی مثال ملنا ناممکن ہے کہ جس میں موصوف میں باعتبار حقیقت کے صرف ایک ہی صفت ہو، کوئی دوسری صفت اسکے اندر نہ پائی جائے۔

(۲) صفت کا موصوف پر قصر حقیقی۔ یعنی وہ صفت اس موصوف کے علاوہ کسی اور موصوف میں باعتبار حقیقت کے نہ پائی جائے، اور یہ ہو سکتا کہ اس موصوف میں اس صفت کے علاوہ اور صفات بھی ہوں۔ جیسے " لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ " "اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے" یعنی اللہ تعالیٰ موصوف کے علاوہ اور کوئی اس صفت (علم غیب) کے ساتھ باعتبار حقیقت کے موصوف نہیں ہے۔

قصر اضافی کی دو قسمیں

(۱) موصوف کا صفت پر قصر اضافی۔ یعنی موصوف کو ایک صفت کے ساتھ کسی دوسری صفت کے اعتبار سے خاص کرنا۔ خواہ اس دوسری صفت کے علاوہ اور صفات پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ مثلاً ایک شخص زید کو کاتب اور شاعر

دو صفتوں سے متصف سمجھتا ہے حالانکہ وہ کاتب تو ہو اور شاعر نہ ہو تو اس وقت کہیں گے
کہ "ماَزیدٌ اِلّا کاتبٌ" "زید کاتب ہی ہے"۔

یعنی شاعر نہیں ہے۔ خواہ شاعری کے علاوہ اور بہت سی صفات اس کے اندر پائی جاتی ہوں، ان کی نفی نہیں ہے یہاں قصر باعتبار اس کے شاعر ہونے کے ہے کہ وہ کاتب ہی ہے شاعر نہیں ہے۔

(۲) صفت کا موصوف پر قصر اضافی۔ یعنی صفت کو ایک موصوف کے ساتھ کسی دوسرے موصوف کے اعتبار سے خاص کرنا۔ خواہ اس دوسرے موصوف کے علاوہ دیگر موصوفوں میں وہ صفت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ جیسے "لَامُجِدَّ اِلَّا ھاشِمٌ" "کوشش کرنے والا ہاشم ہی ہے"۔

اس شخص سے کہنا جس کا خیال یہ ہو کہ ہاشم کے علاوہ شاکر بھی کوشش کرنیوالا ہے حالانکہ شاکر کوشش کرنے والا نہ ہو تو اس وقت اس کے اس قصر کا مطلب یہ ہوگا کہ شاکر اور ہاشم میں صرف ہاشم ہی کوشش کرنے والا ہے شاکر نہیں۔ خواہ شاکر کے علاوہ اور دوسرے بہت سے لوگ کوشش کرنے والے ہوں انکی نفی نہیں مقصود ہے۔

قصر اضافی کی دوسری تقسیم

مخاطب کے حال کے اعتبار سے قصر اضافی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) قصرِ اِفراد : یہ ہے کہ مخاطب شرکت کا گمان رکھتا ہو اور متکلم ایک کے ساتھ قصر کر دے۔ جیسے "ما قائمٌ اِلَّا ھاشمٌ" "ہاشم ہی کھڑا ہے"۔

اس شخص سے کہنا جو یہ خیال رکھتا ہو کہ ہاشم اور مسعود دونوں کھڑے ہیں یعنی کھڑے ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ تو متکلم نے اس کے اس شرکت کے خیال کو

منع کر دیا اور صرف ہاشم کے ساتھ "قیام" (کھڑا رہنے) کا قصر کر دیا۔

(۲) **قصرِ قلب** : یہ ہے کہ مخاطب متکلم کے خلاف خیال رکھتا ہو۔ مثلاً مخاطب یہ خیال رکھتا ہو کہ صرف مسعود ہی کھڑا ہے ہاشم نہیں، تو اس وقت "ما قائمٌ إلّا هاشمٌ" کہنا قصر قلب کی مثال ہو جائے گی۔

(۳) **قصرِ تعیین** : یہ ہے کہ مخاطب متردد ہو۔ وہ نہیں جانتا کہ ہاشم کھڑا ہے یا مسعود۔ اس وقت "ما قائمٌ إلّا هاشمٌ" کہہ کر متکلم نے ہاشم کے کھڑا ہونے کو متعین کر دیا۔ تو یہ قصر تعیین کی مثال ہو گئی۔

قصر کے طریقے : قصر کے چار طریقے مشہور ہیں :۔

(۱) "لَا" یا "بَلْ" یا "لٰکن" کے ذریعہ عطف کرنے کا طریقہ۔ جیسے :۔ "انا ناثر لا ناظم" "میں نثر کہنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں"۔ اور "ما انا حاسبٌ بل کاتب" "میں حساب داں نہیں ہوں بلکہ کاتب ہوں"۔ اور "ما انا طامع بل قانعٌ" "میں حریص نہیں ہوں بلکہ قناعت کرنے والا ہوں"۔

عطف بہ لَا میں مقصور علیہ "لا" سے پہلے ہو گا اور عطف بہ بَلْ اور عطف بہ لٰکنّ میں ان کے بعد ہو گا۔

(۲) نفی اور استثنار کا طریقہ جیسے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" "نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے"۔ اس میں مقصور علیہ حرف استثنار کے بعد ہو گا۔

(۳) تقدیم ما حقہ التاخیر کا طریقہ۔ یعنی جس چیز کو مؤخر ہونا چاہئے اس کو مقدم کرنا جیسے "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔"

یہاں "اِیَّاكَ" مفعول کو "نعبدُ" فعل سے پہلے لایا گیا تا کہ قصر کا فائدہ دے۔ حالانکہ مفعول کو فعل کے بعد آنا چاہئے۔ اسمیں مقصور علیہ مقدم ہوتا ہے۔

(۴) اِنَّمَا کا طریقہ۔ جیسے "اِنَّمَا العالِمُ علیٌّ" "عالم تو علی ہی ہیں"۔ اس میں مقصور علیہ وجوباً مؤخر ہوگا۔

قصر کے طرفین : قصر کے دو "طرف" ہوتے ہیں :۔

(۱) مقصور، یعنی جس کا قصر ہو (۲) مقصور علیہ، یعنی جس پر قصر کیا جائے۔

فائدہ : اردو زبان میں قصر کے لئے "ہی، صرف، محض، اک، فقط، بس" وغیرہ حروف مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اور ؎

القصہ میں عجیب عبث ہیچ کارہ ہوں بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں

اور ؎

رہا دین باقی، نہ اسلام باقی اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

سوالات

(۱) قصر کی تعریف کیجئے اور بتائیے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں ؟

(۲) قصر حقیقی اور قصر غیر حقیقی کی تعریف کیجئے اور مثالیں بھی دیجئے۔

(۳) قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک کی کتنی قسمیں ہیں ؟ مع امثلہ بتائیے۔

(۴) مخاطب کے حال کے اعتبار سے قصر اضافی کی کتنی قسمیں ہیں ؟

(۵) ما قائمٌ الّا ھاشم، قصر کے کس قسم کی مثال ہے اور کس طرح ؟

(۶) قصر کے کتنے طریقے مشہور ہیں اور کیا کیا ؟

(۷) قصر کے طرفین بتائیے اور انکی تعریف بھی کیجئے۔

بابِ ششم ۔ اِنشار

انشار کی دو قسمیں ہیں ۔ (۱) طلبی (۲) غیر طلبی ۔

انشاءِ طلبی : وہ کلام ہے جو ایسے مطلوب کو چاہتا ہے جو طلب کرنے کے وقت حاصل نہ ہو ۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں ۔ (۱) تمنی (۲) استفہام (۳) امر (۴) نہی (۵) ندا ۔

انشاءِ غیر طلبی : وہ کلام ہے جو کسی مطلوب کو نہیں چاہتا ۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ مثلاً تعجب ۔ جیسے " نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ " "زید کیا ہی اچھا مرد ہے" اور قسم ۔ جیسے " وَاللّٰہِ اَنَا صَادِقٌ " "بخدا میں سچا ہوں" ۔ اور عقود ۔ جیسے " بِعْتُ وَاشْتَرَیْتُ " "میں نے بیچا اور میں نے خریدا" وغیرہ ۔ انشار غیر طلبی علم معانی کے مباحث سے نہیں ہے ۔

انشار طلبی کی اقسام

تمنّیٰ : لغت میں آرزو کرنے کو اور اصطلاح میں کسی ایسی محبوب چیز کو طلب کرنے کو کہتے ہیں جس کے حاصل ہونے کی امید دو وجہ سے نہ ہو ۔

(۱) یا تو اس لئے کہ اس کا حاصل ہونا محال ہے (۲) اور یا اس لئے کہ اس کا وقوع ممکن اور متوقع تو ہے لیکن بعید ہے ۔

حروف تمنی چار ہیں ۔ (۱) لَیْتَ ۔ جیسے " لَیْتَ الشَّبَابَ عَائِدٌ " "کاش جوانی لوٹنے والی ہوتی" ۔ (۲) لَوْ ۔ جیسے " لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً " "کاش ہمیں دوبارہ دنیا میں لوٹنا ہوتا" ۔ (۳) ھَلْ ۔ جیسے " فَھَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ " "کاش ہمارے لئے

سفارش کرنے والے ہوتے"۔ اردو میں جیسے ؎

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

(۴) لَعَلَّ۔ (یہ تمنّی کے لئے کم استعمال ہوتا ہے) جیسے "لَعَلِّیْ اَحُجُّ فَاَفُوْزُ" "کاش میں حج کرتا تو کامیاب ہوتا"۔ اردو میں لفظ "شاید"، "لعلّ" کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے ؎

تیز رکھنا سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

فائدہ: (۱) تمنّی میں امکان شرط نہیں ہے بلکہ شئے محال کی بھی تمنّی ہو سکتی ہے (۲) جب کسی محبوب شئے کا حاصل ہونا محال نہو بالکل متوقع ہو تو اس کو "ترجّی" کہتے ہیں اور اس کے لئے "عَسٰی" اور "لعلّ" کو لاتے ہیں جیسے "فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ" "توقع ہے کہ اللہ تعالےٰ کامیابی نصیب کرے" اور "لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا" "توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کر دے"۔

۲ استفہام: کسی نامعلوم شے کے علم طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ حروفِ استفہام یہ ہیں :۔ ھَلْ ۔ أ (ہمزہ) مَا ۔ مَنْ ۔ مَتٰی ۔ اَیَّانَ ۔ کَیْفَ ۔ اَیْنَ ۔ اَنّٰی ۔ کَمْ ۔ اَیُّ ۔

(۱) ھَلْ۔ صرف تصدیق کی طلب کے لئے آتا ہے (تصدیق، نسبت حکمیہ کے جاننے کو کہتے ہیں) جیسے "ھَلْ جَاءَ صَدِیْقُکَ" "کیا تمہارا دوست آیا ہے؟"۔

(۲) أ (ہمزہ)، کبھی تصور کی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تصدیق کی طلب کیلئے (تصور، صرف مفرد کے جاننے کو کہتے ہیں) جیسے "أَدِبْسٌ فِی الْاِنَاءِ اَمْ خَلٌّ" "کیا برتن میں شیرہ ہے یا سرکہ"۔ یہ طلب تصور کی مثال ہے۔ اور "أَزَیْدٌ قَائِمٌ"

"کیا زید کھڑا ہے؟" یہ طلب تصدیق کی مثال ہے۔

(۳) ھَلْ اور ہمزہ کے علاوہ بقیہ حروف صرف طلب تصور کے لئے آتے ہیں۔

کبھی یہ حروف استفہام اپنے اصلی معنوں کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی آتے ہیں۔ جیسے " (۱) استبطاء (دیر ہونے کو ظاہر کرنے) کے معنی میں۔ جیسے "کَمْ دَعَوْتُكَ فَلَا تُجِيْبُ" "میں نے تم کو کتنا پکارا لیکن تم جواب نہیں دیتے۔"

(۲) تعجب کے معنی میں۔ جیسے "مَالِیَ لَا أَرَی الْهُدْهُدَ" "کیا ہے میرے لئے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔" اردو میں جیسے ع

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

(۳) وعید (دھمکی) کے معنی میں۔ جیسے " أَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ" "کیا تم یہ کام کرو گے حالانکہ میں نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔"

(۴) تقریر کے معنی میں۔ جیسے " أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ" "کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔" یعنی یقیناً کافی ہے۔ اردو میں جیسے ؎

کیا ترے جلوے نے حیراں نہ کیا عالم کو حشر کس دن ترے دیدار سے برپا نہ ہوا

(۵) انکار کے معنی میں بطور توبیخ (جھڑکنے) کے جیسے " أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ" "کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو"۔ یا انکار کے معنی میں بطور تکذیب (جھٹلانے) کے جیسے " أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ إِنَاثًا" "کیا تمھارے پروردگار نے تم لوگوں کو بیٹوں کے ساتھ ممتاز کیا اور اپنے لئے بیٹیاں منتخب کیں؟

(۶) تہکّم (مذاق اڑانے) کے معنی میں۔ جیسے " أَعَقْلُكَ يَسُوْغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا" "کیا تمھاری عقل تمھیں اجازت دیتی ہے کہ تم اس طرح کام کرو"

(۷) تحقیر کے معنی میں۔ جیسے " أَهٰذَا الَّذِیْ مَدَحْتَهُ كَثِيْرًا" "کیا یہ وہی ہے

جس کی تم نے اتنی تعریف کی تھی"۔ اردو میں جیسے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے   تم ہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

(۸) تہویل (ہولناک بناکر پیش کرنے) کے معنی میں۔ جیسے " مَنْ فِرْعَوْنُ" "کون ہے فرعون؟"

امر: فعل کے علیٰ وجہ الاستعلاء طلب کرنے کو کہتے ہیں (استعلاء کا مطلب یہ ہے کہ متکلم اپنے کو مخاطب سے عالی اور بڑا سمجھے) امر کے صیغے چار قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) فعل امر۔ جیسے "خُذِ الْكِتَابَ" "کتاب پکڑو"۔ (۲) وہ فعل مضارع جو لام سے ملا ہوا ہو۔ جیسے "لِيُنْفِقْ" "چاہیے کہ خرچ کرے"۔ (۳) اسم فعل امر۔ جیسے "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" "کامیابی کی طرف آؤ"۔ (۴) وہ مصدر جو فعل امر کا قائم مقام ہو جیسے "سَعْيًا فِي الْخَيْرِ" "بھلائی کے کام میں کوشش کرو"۔ کبھی امر اپنے اصلی معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

(۱) التماس (برابر والے سے طلب کرنے) کے معنی میں۔ جیسے اپنے برابر کے آدمی سے کہنا "خُذِ الْكِتَابَ" "کتاب پکڑو"۔ اردو میں جیسے ؎

مے کشاں روح ہماری بھی کبھی شاد کرو   ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

اس میں "شاد کرو" اور "یاد کرو" امر ہے التماس کے معنی میں۔

(۲) دعا کے معنی میں۔ جیسے " رَبِّ اغْفِرْ لِي" "اے میرے پروردگار! میرے گناہ معاف فرما"۔ اردو میں جیسے ؎

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے   جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

(۳) تہدید (دھمکی) کے معنی میں۔ جیسے " اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ" "جو تمھارا جی چاہے کرو"۔ اردو میں جیسے ؎

مل نہ مل پاس مرے بیٹھ نہ بیٹھ آکے نہ آ   جس نے بہکایا ہے تجھ کو تو اسی کے گھر جا

(۴) تعجیز (عاجز کرنے) کے معنی ہیں۔ جیسے "فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" پس اس جیسی ایک ہی سورت لاؤ"

(۵) تسخیر (مسخر کرنے) کے معنی ہیں۔ جیسے "كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ" "ذلیل اور خوار بندر بن جاؤ"

(۶) اہانت کے معنی ہیں۔ جیسے "كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا" "پتھر ہو جاؤ یا لوہا" اردو میں جیسے ؎

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات   آئی ہے سحر ہونے کو اب تو کہیں مر بھی

اس میں "مر" صیغۂ امر اہانت کے لئے ہے۔

(۷) تسویہ (برابر کرنے) کے معنی ہیں۔ جیسے "اِصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا" "صبر کرو یا نہ کرو" اردو میں جیسے ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات   رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

(۸) تمنی کے معنی ہیں۔ جیسے ؎

الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی   بصبح وما الاصباح منك بامثل

ترجمہ: اے ہجر کی شب دراز! تو صبح بن کر روشن ہو جا (یعنی اے کاش کہ تیری درازی ختم ہو جائے) اور میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ صبح بھی تجھ سے کچھ بہتر نہیں ہے۔ اردو میں جیسے ؎

جب نیا تا تھا راہ وہ دگیر   ہر بگولے سے تھی یہی تقریر

تو ہی اب مجھ کو راستہ بتلا   کشورِ یار کا پتہ بتلا

چونکہ بگولہ راستہ نہیں بتلا سکتا اس لئے یہ امر تمنی کے لئے ہے کیونکہ اس میں امر محال کی

آرزو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کاش بگولہ راستہ بتلاتے۔

نہی : استعلاء کے طور پر ترکِ فعل کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ نہی کے لئے صرف ایک صیغہ ہے یعنی وہ فعل مضارع جس کے ساتھ لائے نہی ہو۔ جیسے :۔ " لَا تَضْحَکُوا " "مت ہنسو"۔

کبھی نہی اصل معنی کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی آتی ہے۔ مثلاً :۔

(۱) التماس کے معنی میں۔ جیسے اپنے برابر والے سے کہنا " لَا تَذْهَبْ حَتّٰی اَرْجِعَ " "نہ جاؤ جب تک کہ میں لوٹ نہ آؤں"۔ اردو میں جیسے ؎

دوستو اس سے توقع مت رکھو مجھ سے وہ یوں پھر گیا کیسا ہے دوست

عربی مثال میں " لَا تَذْهَب " اور اردو میں "مت رکھو" صیغۂ نہی التماس کے معنی میں ہے۔

(۲) دعا کے معنی میں۔ جیسے " لَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ " "اے اللہ! میری تکلیف پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے"۔ اردو میں جیسے ؎

ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

(۳) تہدید کے معنی میں۔ جیسے اپنے خادم سے کہو " لَا تُطِعْ اَمْرِیْ " "اچھا نہ مانو میری بات"۔ وغیرہ۔

ندا : یعنی پکارنا۔ مخاطب کی توجہ طلب کرنا ایسے حرف سے جو "ادعواء" (میں پکارتا ہوں) کے قائم مقام ہو۔

حروف ندا آٹھ ہیں :۔ ہمزہ۱ - اَیْ۲ - یَا۳ - آ۴ - آیْ۵ - اَیَا۶ - ہَیَا۷ - وَا۸۔

ان میں سے "ہمزہ" اور "اَیْ" ندا قریب کے لئے ہیں اور باقی سب ندا بعید کے لئے اور "یا" میں اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ قریب و بعید دونوں کیلئے ہے۔

کبھی منادیٰ بعید کو بمنزلہ قریب کے لاکر اس کے لئے "ہمزہ" اور "اَی" لاتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ منادیٰ قلب و ذہن کے اتنا قریب ہے کہ باوجود دوری کے بھی گویا پاس ہی ہے۔ اور کبھی منادیٰ قریب کو بمنزلہ بعید لاکر اس کے لئے "ہمزہ" اور "اَی" کے علاوہ حروف ندا لاتے ہیں۔ اور اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ منادیٰ اتنا عالی مرتبت یا اتنا حقیر ہے یا اس سے ایسی بے تعلقی ہے کہ باوجود قریب ہونے کے بھی گویا وہ دور ہی ہے۔

کبھی ندا اصل معنی کے علاوہ دوسرے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے :۔

(۱) اغرار (اُبھارنے، برانگیختہ کرنے) کے معنی میں۔ جیسے "یا مظلوم" اے مظلوم۔ اس شخص سے کہنا جو تمہارے پاس کسی کے ظلم کی شکایت لے کر آیا ہو۔

اردو میں جیسے ؎

نفس کی آمد و شد ہے نماز اہلِ حیات جو یہ قضا ہو تو اے غافلو! قضا سمجھو

(۲) اختصاص کے معنی میں۔ جیسے " انا افعل کذا ایّہا الرّجل " میں ایسا کرتا ہوں اے شخص۔ درانحالیکہ اس شخص منادیٰ کو دوسرے کے درمیان خصوصیت حاصل ہے۔

فائدہ : کبھی جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے موقع پر بعض نکتوں کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔ مثلاً :۔

(۱) تفاؤل کی غرض سے۔ جیسے " وَفَّقَکَ اللّٰہُ لِلتَّقْوٰی " خدا تمھیں تقویٰ کی توفیق دے"۔

یہاں جملہ خبریہ فال لینے کی غرض سے لائے کہ گویا توفیق حاصل ہونا یقینی ہی ہے۔

(۲) حرص اور شوق ظاہر کرنے کے لئے۔ جیسے " وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ "

"اور مائیں دودھ پلائیں"۔
بصیغۂ خبر اس واسطے لائے کہ مائیں خود دودھ پلانے کی حریص ہوتی ہیں۔

سوالات

(۱) انشاء کی قسمیں بتا کر ہر ایک کی تعریف کیجئے۔
(۲) بتایئے انشاء طلبی کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ؟
(۳) بتایئے کہ تمنی اور ترجی میں کیا فرق ہے۔ ؟
(۴) حروف استفہام کتنے ہیں اور کیا کیا۔ اور ان میں سے کون صرف تصدیق کے لئے ہے اور کون تصور کے لئے۔ اور کون دونوں کے لئے ؟
(۵) "مَالِیَ لَا اَرَی الْهُدْهُدَ" بتایئے اس میں حرف استفہام کس معنی میں آیا ہے ؟
(۶) امر کی تعریف کیجئے اور بتایئے کہ اسکے کتنے صیغے ہیں اور کیا کیا ہیں ؟
(۷) ؎ یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے　جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
اس شعر میں صیغۂ امر کس معنی میں آیا ہے اور عربی میں اسکی کیا مثال کتاب میں دیگئی ہے ؟
(۸) ندا کی تعریف کیجئے اور بتایئے کہ حروف ندا کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں۔ اور "یا" کے بارے میں کیا اختلاف ہے اور صحیح کیا ہے ؟

باب ہفتم۔ فصل و وصل

وصل : ایک جملہ کو دوسرے جملہ پر حرف واؤ کے ساتھ عطف کرنا۔

فصل : عطف نہ کرنے کو کہتے ہیں۔

فصل پانچ جگہوں پر واجب ہے۔

(۱) جب کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع ہو اس طرح پر کہ ایک جملہ خبری ہو اور ایک انشائی جیسے ؎

یَاصَاحِبَ الدُّنْیَا الْمُحِبَّ لَہَا　　اَنْتَ الَّذِیْ لَایَنْقَضِیْ تَعَبُہٗ

ترجمہ : اے دنیا پر مرنے والے! تو ہی وہ ہے جس کی مشقت اور تھکن ختم نہیں ہوتی

یہاں دونوں جملوں میں فصل کیا گیا کیونکہ اس میں پہلا مصرعہ جملہ انشائیہ ہے اور دوسرا مصرعہ جملہ خبریہ ہے۔ اس لئے دونوں جملوں میں فصل کیا گیا۔

اردو میں جیسے ؎

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

یہاں دونوں جملوں میں فصل کیا گیا۔ کیونکہ پہلے جملہ "مرے لہو کو تو دامن سے دھو" انشائی، اور دوسرا جملہ "ہوا سو ہوا" خبری ہونے کی وجہ سے کمال انقطاع ہے۔

یا اس طرح پر کہ دونوں جملوں میں کسی طرح کی مناسبت ہی نہ ہو۔ جیسے :۔

"عَلِیٌّ کَاتِبٌ اَلْحَمَامُ طَائِرٌ" "علی کاتب ہے کبوتر پرندہ ہے"

دونوں جملوں میں فصل کیا گیا کیونکہ دونوں کے درمیان کسی طرح کی بھی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے کمال انقطاع ہے۔

(۲) جب کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہو۔ اس طرح پر کہ

دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بدل واقع ہو۔ جیسے "أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِينَ" اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ایسی چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو مدد کی اس نے تمہاری چارپایوں اور فرزندوں سے۔"

ان دونوں جملوں میں دوسرا جملہ "أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِينَ" پہلے جملہ کا بدل ہے۔ اردو میں جیسے ؎

چل دور ہو میرے سامنے سے　　تھمتا نہیں غصہ تھامنے سے

اس میں "دور ہو" دوسرا جملہ "چل" پہلے جملہ کا بدل ہے اس لئے دونوں جملوں میں فصل کیا گیا۔

یا اس طرح پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہو۔ جیسے "فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا" "پس چھوڑ دیجئے کافروں کو ان کو مہلت دیجئے۔"

دوسرا جملہ "امہلھم" پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ اردو میں جیسے ؏

یہ منکر ہیں بزرگوں سے بلاشک

اس میں دوسرا جملہ "بلاشک" پہلے جملہ "یہ منکر ہیں بزرگوں سے" کی تاکید ہے۔

یا اس طرح پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہو۔ جیسے "فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ" "پس شیطان نے ان کو بہکایا۔ کہا اے آدم کیا میں تم کو شجر خلد بتلا دوں؟"

اس میں دوسرا جملہ "قَالَ يَا آدَمُ الخ" پہلے جملہ "فوسوس الخ" کا بیان ہے۔

اردو میں جیسے ؎

زمانہ رنج دیتا ہے بقدر حال انساں کو　　گدا کو فکر ناں، اندیشۂ عالم ہے سلطاں کو

دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کا بیان ہے۔

(۳) جب کہ دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمال اتصال ہو اس طرح پر کہ دوسرا جملہ

اس سوال کا جواب ہو جو پہلے جملہ سے سمجھا گیا ہو۔ جیسے ؎

زَعِمَ العَوَاذِلُ اِنَّنِي فِي غَمْرَةٍ   صَدَقُوا وَلٰكِنْ غَمْرَتِي لَا تَنْجَلِي

ترجمہ: ملامت کرنے والوں نے کہا کہ میں ایک مصیبت (عشق) سے دوچار ہوں انھوں نے سچ کہا لیکن میری یہ مصیبت تو ایسی نہیں ہے جو ٹل جائے۔

دونوں جملوں میں فصل ہے کیونکہ گویا پہلے مصرعہ سے یہ سوال پیدا ہوا کہ ملامت کرنے والوں نے سچ کہا یا جھوٹ؟ تو شاعر نے جواب میں کہا کہ ہاں! انھوں نے سچ کہا اب چونکہ یہاں پر سوال وجواب میں شدید تعلق اور اتصال ہے اس لئے یہ بعض اعتبار سے کمالِ اتصال سے مشابہ ہے۔ اس لئے اس کا نام "شبہ کمالِ اتصال" ہے اردو میں جیسے ؎

دم مارنے کی جا نہیں اے صاحب ادراک   حقا کہ وہاں دخل نہیں وہم وگماں کا

دونوں مصرعے دو جملے ہیں اور دونوں میں فصل ہے کیونکہ پہلے مصرعہ سے گویا سوال پیدا ہوا کہ کیا وہم وگماں کا بھی وہاں دخل نہیں؟ تو شاعر نے دوسرے مصرعہ میں اس کا جواب دیا کہ، نہیں ہرگز نہیں۔ اس لئے دونوں جملوں میں شبہ کمال اتصال ہے۔

(۴) جب کہ دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمالِ انقطاع ہو۔ اس طرح پر کہ دو جملوں سے آگے ایک ایسا جملہ ہو جس کا عطف کرنا ان دو جملوں میں سے کسی ایک پر صحیح ہو، اس لئے ان کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے۔ لیکن عطف کرنے میں ایک قسم کی خرابی ہے، اس لئے اس وہم کو دور کرنے کے لئے عطف نہ کیا جائے گا۔ یعنی فصل کیا جائے گا۔ جیسے ؎

وَتَظُنُّ سَلْمٰى اَنَّنِي اَبْغِي بِهَا   بَدَلًا اَرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيْمُ

ترجمہ: اور سلمیٰ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے عوض کسی اور محبوبہ کو ڈھونڈھ رہا ہوں میرا خیال ہے کہ وہ گمراہی میں پریشان ہو رہی ہے۔

یہاں تیسرے جملے "اراھا" کا عطف پہلے جملہ "تظن" پر درست ہے لیکن اس خرابی کو اور وہم کو دور کرنے کے لئے عطف (وصل) نہیں کیا گیا کہ ایسی صورت میں جملہ "ابغی بھا" پر عطف ہو کر جملہ "اراھا" بھی سلمیٰ ہی کے مظنونات (گمان) میں شامل ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ تو خود شاعر کا گمان اور خیال ہے اور سلمیٰ کا مظنون (گمان) تو صرف جملہ "ابغی بھا بدلا" ہے۔

(۵) جب دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین (یعنی بین کمال الانقطاع وکمال الاتصال) ہو، اس طرح پر کہ کسی مانع کی وجہ سے دونوں جملوں کو کسی ایک حکم میں شامل کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔ جیسے "وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو استہزاء کیا کرتے ہیں۔ اللہ استہزاء کرتا ہے ان سے"

یہاں پر "اَللّٰهُ یستهزء بهم" کا عطف "اِنَّا معکم" پر صحیح نہیں ہے کیونکہ عطف کرنے کی صورت میں جملہ "اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" منافقین کا مقولہ ہو جائیگا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وصل تین جگہوں میں واجب ہے:۔

(۱) جب دونوں جملوں کو حکم اعرابی (محل اعراب ہونے) میں شریک کرنے کا قصد کیا جائے۔ حکم اعرابی سے مراد یہ ہے کہ وہ پہلا جملہ ترکیب میں مبتدا یا خبر یا صفت یا حال وغیرہ ہو، اور دوسرے جملے کو اعراب کے حکم مثلاً خبر، مبتدا وغیرہ ہونے میں

پہلے جملہ کا شریک بنانے کا قصد کیا جائے۔ جیسے "زیدٌ یَاخُذُ وَ یُعطِی" "زید لیتا ہے اور دیتا ہے"۔

دیکھو "یاخذ" کا ایک محل اعراب ہے یعنی یہ "زید" مبتدا کی خبر ہے۔ اب قائل نے "یعطی" کو بھی اس حکم اعرابی یعنی اسی مبتدا (یعنی زید) کی خبر ہونے میں شریک کرنے کا ارادہ کیا اس لئے ان دونوں جملوں یعنی "یاخذ" اور "یعطی" کے درمیان "واو" لاکر وصل کیا۔ اردو میں جیسے ؎

لے جائے گا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا　　دیکھو کمایا کس نے ہے اور کون اڑائے گا

"کس نے کمایا ہے" پر "کون اڑائے گا" کا عطف (وصل) ہے کیونکہ دونوں جملے "دیکھو" کے مفعول ہیں اور یہاں حکم اعرابی میں شریک کرنے کا یہی مطلب ہے کہ پہلا اگر مفعول ہے تو دوسرے کو بھی مفعول بنائے۔

(۲) جب دونوں جملے خبری ہوں یا دونوں انشائی ہوں اور دونوں کے درمیان کوئی وجہ جامع یعنی مناسبت تامہ ہو اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو فصل کو چاہتی ہو۔ جیسے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" "بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بدکار لوگ دوزخ میں ہیں"۔

یہاں دونوں جملوں میں وصل کیا گیا کیونکہ دونوں جملے خبری ہیں اور دونوں کے مسند الیہ یعنی "ابرار" اور "فجار" میں وجہ جامع تضاد کی نسبت ہے اسی لئے ان کے مسند "لفی نعیم" اور "لفی جحیم" میں بھی وجہ جامع تضاد کی نسبت ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو فصل کو چاہتی ہو۔

اردو میں جیسے ؎

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ　　تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

دونوں مصرعے میں دو دو جملے خبریہ ہیں جن میں وصل کیا گیا کیونکہ ہر دونوں جملے خبری ہونے میں موافق ہیں اور پہلے مصرعہ میں "دیکھا" اور "نہ دیکھا" میں اور دوسرے مصرعہ میں "آنکھوں میں رہا" اور "آنکھوں سے پنہاں ہی رہا" میں امر جامع علاقہ تضاد ہے۔ نیز کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو فصل کا تقاضا کرتی ہو۔

فائدہ: وجہ جامع سے مراد یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کوئی رابطہ اور علاقہ ہو جو اِن دونوں کے باہمی نسبت کا سبب ہو مثلاً تضاد (ایک دوسرے کی ضد ہونے) کا علاقہ۔ جیسے "ابرار" (نیک لوگ) کی ضد "فُجّار" (بُرے لوگ) یا علاقۂ تضایف (ایسا تعلق کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو)۔ جیسے: ابوّت" (باپ ہونا) کہ یہ بیٹا ہونے پر موقوف ہے۔ وغیرہ

(۳) جب ایک جملہ خبری ہو اور ایک انشائی اور وصل نہ کرنے سے خلاف مقصود کا وہم ہو۔ جیسے تم سے کوئی کہے۔ "هَلْ لَكَ حَاجَةٌ أُسَاعِدُكَ فِي قَضَائِهَا" کوئی کام ہو تو بتائیے"۔

اور تم اس کے جواب میں کہو "لَا وَبَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ" "نہیں، کوئی کام نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو برکات سے نوازیں"۔

یہاں "لا" ایک جملہ ہے اور "بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ" دوسرا جملہ، دونوں میں وصل کیا گیا، کیونکہ ایک جملہ خبریہ ہے اور ایک انشائیہ۔ اور اگر "واو" لاکر وصل نہ کیا جاتا تو متکلم کے مقصود کے خلاف کا وہم ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں "لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ" ہو جاتا، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ "اللہ تجھے برکت نہ دے"، یہ بد دعا ہے، حالانکہ مقصود دعا ہے۔

محسنات وصل میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں جملے اسمیت اور فعلیت میں

موافق ہوں۔ یعنی یا دونوں جملے اسمیہ ہوں۔ جیسے " أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"۔ یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی جانب سے اور یہی لوگ ہیں کامیاب"۔

یہاں دونوں جملے اسمیہ ہیں۔ یا دونوں جملے فعلیہ ہوں تو اس صورت میں ماضی اور مضارع ہونے میں موافق ہوں۔ جیسے " وَخَلَقْنٰكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا " اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) بنایا اور ہم نے تمھارے سونے کو راحت کی چیز بنایا، اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم نے دن کو معاش کا وقت بنایا"۔

یہاں چاروں جملے فعلیہ ہیں اور ماضی بھی ہیں۔

سوالات

(۱) وصل اور فصل کی تعریف کیجئے۔

(۲) فصل کتنی جگہوں میں واجب ہے؟ اختصار کے ساتھ بتائیے۔

(۳) وصل کن کن مقامات پر واجب ہے؟ بالاختصار بتائیے۔

(۴) بتائیے " وجہ جامع " سے کیا مراد ہے؟

(۵) وصل میں حسن کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟

(۶) وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۞ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"۔ بتائیے اس آیت کریمہ میں کہاں فصل ہے اور کیوں؟

(۷) بتائیے " خالد یقرء و یکتب" کس کی مثال ہے اور کس طرح؟

باب ہشتم - ایجاز، اطناب اور مساوات

ایک بلیغ آدمی اپنا مقصد بیان کرنے کے لئے تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرتا ہے۔ کبھی اختصار کے ساتھ اور کبھی کلام کو طویل کر کے اور کبھی درمیانی کہ جو نہ مختصر ہوتا ہے اور نہ طویل۔ ان تین طریقوں میں سے جس کا موقع ہوتا ہے ویسا ہی کلام کرتا ہے۔ انہی تینوں طریقوں کی کچھ تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے۔

مساوات: یہ ہے کہ الفاظ معنی مقصود کے برابر ہوں یعنی اتنے ہی الفاظ ہوں جتنے معانی ہوں اور اتنے ہی معانی جتنے الفاظ۔ نہ الفاظ معانی سے زیادہ نہ معانی الفاظ سے۔ جیسے "وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ" "اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جایئے۔"

دیکھو! اس آیت کریمہ میں اتنے ہی الفاظ ہیں جتنے معانی ہیں۔ چنانچہ اس میں اگر کوئی لفظ بڑھا دیا جائے تو وہ لفظ زیادہ ہو جائے گا اور اگر کم کر دیا جائے تو معنی میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اردو میں جیسے ؎

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

اس شعر میں کوئی لفظ اصل مراد سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔

ایجاز: یہ ہے کہ الفاظ معنی مقصود سے کم ہوں لیکن کافی ہوں۔ ایجاز کی دو قسمیں ہیں:۔ ایجاز قصر۔ ایجاز حذف۔

ایجاز قصر: یہ ہے کہ عبارت چھوٹی ہو اور معانی بہت ہوں اور اس میں عبارت حذف بھی نہ ہو۔ جیسے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"

"اور تمھارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے"۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ تو کم ہیں لیکن معانی کثیر درکثیر ہیں اور عبارت میں کہیں حذف بھی نہیں ہے۔ اردو میں جیسے ع

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اس مصرعہ کے الفاظ تو قلیل ہیں مگر معنی کثیر ہیں۔ کیونکہ اس میں بُرائی بھلائی کی جزا اور سزا کے جلد ملنے کو بیان کیا گیا ہے۔

ایجاز حذف : یہ ہے جس میں ایک یا ایک سے زائد کلمے یا جملے حذف ہوں اور ساتھ ہی ایسا قرینہ بھی ہو جو محذوف کو متعین کرے۔ مثلاً مضاف محذوف ہو۔ جیسے "وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ" اور بستی سے پوچھو۔

یہاں "القریۃ" کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی "وَاسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ" "بستی والوں سے پوچھو"۔ اردو میں جیسے ؎

ہوں وہ بیمار محبت کہ نہیں تاب و تواں پنجوقتہ مری آنکھوں سے ادا ہوتی ہے

یہاں "پنجوقتہ" کا مضاف محذوف ہے یعنی "نماز پنجوقتہ"۔

یا صفت محذوف ہو جیسے "وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا" "اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر"۔

یہاں "سفینۃ" کی صفت "غیر معیبۃ" (بے عیب) محذوف ہے کیونکہ وہ بادشاہ اچھی ہی کشتی غصب کیا کرتا تھا۔

یا موصوف محذوف ہو۔ جیسے "اَنَا ابْنُ جَلَا" "میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کا کارنامہ شہرۂ آفاق ہے"۔

اس میں "رجل" موصوف محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے

أَنَا ابْنُ رَجُلٍ جَلا؛ اردو میں جیسے ؎

ساقیا ہلکی سی لا ان کے لیے　　تندمے اور ایسے کمسن کے لئے

یہاں "ہلکی سی" کا موصوف محذوف ہے۔ یعنی "ہلکی سی مے"۔

یا شرط محذوف ہو۔ جیسے "فَاللّٰہُ هُوَ الْوَلِیُّ" "پس اللہ ہی مددگار ہے"۔
یہ جزا ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ کیونکہ اصل عبارت اس طرح ہے
"اِنْ اَرَادُوْا وَلِیًّا فَاللّٰہُ هُوَ الْوَلِیُّ"

یا جواب شرط محذوف ہو۔ جواب شرط کبھی اختصار کے لئے حذف ہوتا ہے۔ جیسے
"وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا" اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو۔
یہاں "اَعْرَضُوْا" (روگردانی کر لیتے ہیں)۔ جواب شرط محذوف ہے۔
اردو میں جیسے ؎

کہا در ہو یہ بھی اگر بند اس پر　　کہا اس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر

پہلے مصرعہ کے بعد جزا محذوف ہے یعنی "تو کیا کرنا چاہیے ؟"

اور کبھی اس وجہ سے حذف کرتے ہیں تاکہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ
محذوف ایسی چیز ہے جس کو کوئی وصف گھیر نہیں سکتا۔ اور کبھی اس وجہ سے
حذف کرتے ہیں کہ سامع شرط سن کر اس کے جتنے جواب ممکن ہوں ان میں سے
جس جواب کی طرف چاہے منتقل ہو جائے۔

ان دونوں کی مثال یہ آیت کریمہ ہے "وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ"
"اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جائیں گے وہ دوزخ پر"
یہاں جواب شرط محذوف ہے یعنی "لَرَأَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا" "ضرور دیکھیگا
ایک دردناک امر"۔ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا جواب جو ممکن ہو۔

اردو میں جیسے ؎

اے ذوقِ شہیدِ اسکو کرتے ہیں کئی عاشق　　کرنی ہے اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

یہاں "کرنی ہے اگر سبقت" کی جزا محذوف ہے یعنی "تو سبقت کر"۔

یا ایک یا ایک سے زائد جملہ محذوف ہو اور وہ جملہ محذوفہ ایسے سبب کا مسبب ہو جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہو۔ جیسے "لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ" "تا کہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل"۔ یہ جملہ سبب ہے جو مذکور ہے اور اس کا مسبب محذوف ہے یعنی "فعلَ ما فعلَ" "اس نے کیا جو کیا"۔ یہ جملہ محذوفہ ہے جو مسبب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کے لئے مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور کافروں کو نامراد کیا۔ اردو میں جیسے ؎

ہوں کشمکشِ رنج میں ہاں جذبِ محبت　　کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

یہاں جملہ "یار کو کھینچ لا" محذوف ہے۔ یعنی "اے جذبِ محبت! یار کو کھینچ لا"۔

ایک سے زائد جملہ محذوف ہونے کی مثال یہ ہے "اَنَا اُنَبِّئُکُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ یُوْسُفُ" "میں تم کو اس کی تعبیر بتاؤں پس تم مجھ کو بھیجو، جا کر کہا اے یوسف"

یہاں ایک جملہ سے زیادہ محذوف ہے کیونکہ اصل عبارت یوں تھی "فارسلونی الی یُوْسُفَ لِاَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْیَا فَفَعَلُوْا فَاَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ یَا یُوْسُفُ" "یوسف ؑ کے پاس مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان سے خواب کی تعبیر دریافت کروں۔ پس ان لوگوں نے اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا چنانچہ وہ یوسف ؑ کے پاس آیا اور ان سے کہا اے یوسف!"

دیکھو! یہاں کئی جملے محذوف نکلے۔ اردو میں جیسے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی　　اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مجھے گدا سمجھ کر وہ خاموش تھا لیکن میری جو شامت آئی تو میں اُٹھا اور میں نے اُٹھ کر پاسبان کے قدم لئے (جس سے وہ مجھ کو جان گیا اور اپنے روبرو نہ رہنے دیا) یہاں بین القوسین کے دونوں جملے محذوف ہیں۔

طریقۂ حذف: حذف کے دو طریقے ہیں۔

(۱) یہ کہ کسی شے کو محذوف کے قائم مقام کر دیا جائے۔ جیسے "وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ" یعنی "فَلَا تَحْزَنْ وَاصْبِرْ"

ترجمہ آیت کریمہ: اور اگر مشرکین آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔ یعنی اس لئے آپ غمگین نہ ہوں اور صبر سے کام لیں۔

یہاں پر "لا تحزن واصبر" محذوف ہے اور "فقد کُذِّبت" اس کے قائم مقام ہے۔ اردو میں جیسے ؎

نہیں گر سر و برگ ادراک معنی ‌ ‌ تماشائے نیرنگ صورت مبارک

اس میں پہلا مصرعہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے یعنی "کیا مضائقہ" مطلب شعر کا یہ ہے کہ اگر ہم کو سامان ادراک معنی نہیں ہے تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ ہم کو تماشائے نیرنگ صورت مبارک رہے۔

(۲) یہ کہ محذوف کے قائم مقام کوئی چیز نہ ہو بلکہ کسی قرینہ سے وہ سمجھا جائے جیسے ایجاز حذف کی اوپر گزری ہوئی مثالیں۔

علامات حذف: اس کلام میں کچھ حذف ہے اس کا پتہ عقل سے چلتا ہے اور کیا حذف ہے یعنی کون سا لفظ محذوف ہے اس کا علم چند چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) مقصودِ کلام محذوف کو متعین کر دیتا ہے۔ جیسے "حُرِّمت علیکم المیتة" تم پر مُردار حرام کیا گیا۔

یہاں عقل نے بتایا کہ "المیتة" سے پہلے کچھ محذوف ہے اور بظاہر مقصودِ کلام "کھانا" ہے۔ اس لئے معلوم ہو گیا کہ یہاں "اکل" (کھانا) محذوف ہے تو اصل عبارت اس طرح ہوئی "حُرِّمت علیکم اکل المیتة"۔

(۲) عُرف محذوف کو متعین کر دیتا ہے۔ جیسے "فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ" تو یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم عورتوں نے مجھے بُرا بھلا کہا۔

یہاں "فیہ" سے مراد "فی مراودتہ" (جس کے پھسلانے میں) یا "فی حُبّتہ" (جس کی محبت میں) وغیرہ محذوف ہو سکتا ہے لیکن عرف نے متعین کر دیا کہ یہاں "مراودتہ" (پھسلانا) ہی محذوف ہے کیونکہ پھسلانے ہی پر بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔

(۳) کسی کام کو شروع کرنا۔ جیسے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" یہاں پر جس کام سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہا جائے گا وہی محذوف ہوگا۔ مثلاً پڑھنے سے پہلے ہے تو "اَقْرَءُ" اور اگر لکھنے سے پہلے ہے تو "اَکْتُبُ" اور اگر کھانے سے پہلے ہے تو "آکل" وغیرہ۔

(۴) اقتران یعنی کوئی کلمہ یا کلام کسی تقریب یا فعل سے متصل بولا جائے جیسے زمانۂ جاہلیت میں دولہا سے کہا جاتا تھا "بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِیْنَ" یعنی "اَعْرَسْتَ" "تم ایسے دولہا دلہن بنو کہ میاں بیوی دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور بیٹے پیدا ہوں"۔

یہاں اس کلام کا "اعراس" یعنی شادی کی تقریب کے ساتھ متصل ہونا

اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں "اَعُرُسُتُ" محذوف متعین ہے۔

اردو میں جیسے لفظ "مبارک" کہ اگر شادی کے موقع پر کہا جائے تو مطلب یہ ہے کہ "شادی مبارک ہو" اور اگر بچے کی ولادت کے موقع پر کہا جائے تو مطلب یہ ہے کہ "بچہ مبارک ہو" وغیرہ

اطناب: یہ ہے کہ کسی فائدہ کی غرض سے الفاظ معنیٰ مقصود سے زائد ہوں جیسے "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا" "اترتے ہیں اس میں فرشتے اور روح (جبریل علیہ السلام)"

اس میں "الرّوح" زائد ہے کیونکہ یہ "الملٰئکۃ" کے عموم میں داخل ہے لیکن یہ زیادتی اس فائدہ کی غرض سے کی گئی کہ جبریل علیہ السلام کی عظمتِ شان ظاہر ہو۔

اطناب کئی طریقے سے ہوتا ہے:۔

(۱) ایضاح بعد الابہام۔ یعنی پہلے ایک مطلب کو مبہم ذکر کریں پھر اس کی توضیح کریں تاکہ سامع کے ذہن میں وہ مطلب خوب جم جائے۔ جیسے "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ٥ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ" "اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدد پہنچائی ایسی چیز سے کہ تم اسے جانتے ہو، اس نے چوپایوں اور اولاد سے تمہیں مدد پہنچائی"

یہاں "تعلمون" میں ابہام تھا "بانعام و بنین" سے اس کی توضیح کردی گئی۔ اردو میں جیسے ؎

اس سے طوفاں اٹھا اس نے گرائی بجلی   چشم نے آہ شرر بار نے سونے نہ دیا

پہلے مصرعہ میں ابہام تھا دوسرے مصرعہ سے اس کی توضیح کردی گئی۔

(۲) توشیع، یعنی آخر کلام میں کوئی ایسا صیغہ تثنیہ لایا جائے جس کی تفسیر دو معطوفوں سے کی جائے۔ جیسے حدیث پاک "يَكْبَرُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَكْبُرُ مَعَهٗ"

اِثْنَانِ اَلْحِرْصُ وَطُوْلُ الْاَمَلِ" آدمی بڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں بڑی ہوتی جاتی ہیں، حرص اور امید کی درازی"۔

یہاں پہلے "اثنان" صیغۂ تثنیہ لائے پھر اس کی تفسیر "الحرص وطول الامل" دو معطوفوں سے کی۔ اردو میں جیسے ؎

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں   تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو خودکام بھی ہو

اس کے دوسرے مصرعہ میں پہلے "دو وصف ہیں" صیغۂ تثنیہ لایا پھر اس کی تفسیر "بدخو اور خودکام" سے کی۔

(۳) ایغال، یعنی کلام کو ایسے لفظ سے ختم کرنا جو کسی ایسے نکتہ کا فائدہ دے جس کے بغیر بھی اصل مقصود پورا ہو جائے۔ جیسے "اِتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" "چلو راہ پر پیغمبروں کی، چلو راہ پر ایسے شخص کی جو تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک راستہ پر ہیں"۔

یہاں "وھم مھتدون" کے بغیر بھی کلام کا اصل مقصود پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یقیناً تمام پیغمبر ٹھیک راستہ پر ہیں۔ لیکن "وھم مھتدون" پر کلام ختم کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پیغمبر کی اتباع پر اُبھارنا مقصود ہے۔

اردو میں جیسے ؎

نالہ جاتا تھا پرے عرش کے میرا اور اب   لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

یہاں "جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے" مبالغہ کے لئے زیادہ کر دیا۔ حالانکہ اس کے بغیر بھی کلام کا مقصود پورا ہو جاتا ہے۔

(۴) تذییل، یعنی ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ بغرض تاکید لایا جائے جو پہلے جملہ کے معنی میں ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) یہ کہ دوسرا جملہ قائم مقام ضرب المثل کے ہو۔ جیسے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" "حق آیا اور باطل گیا بیشک باطل جانے والی ہی چیز ہے"۔ یہاں دوسرا جملہ "اِنَّ الباطلَ کان زهوقا" پہلے جملہ کے معنی اور اسکی تاکید ہے اور قائم مقام ضرب المثل کے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

واجب ہے ادائے حقِ مہماں　　　احساں کی جزا نہیں جز احساں

دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کی تاکید ہے اور قائم مقام ضرب المثل کے ہے۔

(۲) یہ کہ دوسرا جملہ قائم مقام ضرب المثل کے نہو۔ جیسے "ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِىْ اِلَّا الْكَفُوْرَ" "وہ بدلہ دیا ہم نے ان کو ان کے کفر کا، اور اس قسم کا خاص بدلہ ایسے لوگوں کو دیا کرتے ہیں جو کافر ہوں۔"

یہاں دوسرا جملہ "هل نجازى الا الكفور" پہلے جملہ کی تاکید ہے لیکن ضرب المثل کے قائم مقام نہیں ہے۔ اردو میں جیسے ؎

یارب مرے خامہ کو زباں دے　　　منقارِ ہزار داستاں دے

دوسرا مصرعہ پہلے کی تاکید ہے لیکن ضرب المثل کے قائم مقام نہیں ہے۔

(۵) تکمیل اور احتراس یعنی کسی ایسے کلام میں جس سے مقصود کے خلاف کا وہم ہو ایسا لفظ لانا جو اس وہم کو دور کردے۔ جیسے ؎

فَسَقٰى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا　　　صَوْبُ الرَّبِيْعِ وَدِيْمَةٌ تَهْمِىْ

ترجمہ: شاعر اپنے ممدوح کو دعا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ موسم بہار کی بارش اور موسلا دھار مینہ تمہارے ملک کو سرسبز و شاداب کرے اس طرح کہ وہ ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے۔

اس شعر میں "غَيْرَ مُفْسِدِهَا" کے لفظ نے اس وہم کو دور کر دیا جو کلام کے

پہلے حصہ میں پایا جاتا تھا وہ وہم یہ تھا کہ جب اس قدر زوروں کی بارش ہوگی تو سارا ملک غرق ہوکر تباہ ہوجائے گا تو یہ تو بددعا ہوئی نہ کہ دعا۔ اردو میں جیسے ؎

مثالِ خضر تو اے رہنمائے ملت دیں ——— جہاں میں پیر ہو پُر ہو کرامتوں سے پیر

پیر (بوڑھا) ہونا ضعف اور کمزوری کو مقتضی ہے لہٰذا یہ دعا بہتر نہیں ہے اس لئے شاعر نے "پُر ہو کرامتوں سے پیر" لاکر اس وہم کو دور کردیا کہ میری مراد پیر سے بوڑھا نہیں ہے بلکہ باکرامت پیر ہے۔

(۶) تتمیم، یعنی ایسے کلام میں جس میں خلاف مقصود کا وہم نہ ہو کوئی لفظ کسی نکتہ کی وجہ سے بڑھا دینا۔ جیسے "وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ" اور دے مال اس کی محبت کے باوجود۔

یہاں "علٰی حُبِّہٖ" زائد ہے اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ باوجود مال کی محبت کے اس کے دینے میں زیادہ سخاوت اور ایثار معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہوا ——— تو وا کرے اس عقدہ کو سو بھی باشارت

الفاظ "سو بھی باشارت" زائد ہیں جو ممدوح کی عقدہ کشائی کے مبالغہ کیلئے لائے گئے ہیں۔

(۷) اعتراض، یعنی کلام کے درمیان ایک یا کئی جملہ معترضہ لانا۔ جیسے :۔
"وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَہٗ وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ" وہ (کفار) اللہ تعالٰے کے لئے لڑکیاں ٹھہراتے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰے ایسی چیزوں سے پاک ہے اور اپنے لئے جو چاہتے ہیں ٹھہراتے ہیں۔"

اس میں "سبحانہ" جملہ معترضہ ہے۔ اردو میں جیسے ؎

ہوگیا تھا گرچہ میں مشغولِ غیر ——— پھر وہی یاد آگیا یادش بخیر

یہاں "یادش بخیر" جملہ معترضہ ہے۔

(۸) تکریر، یعنی کلام کو مکرر لانا۔ جیسے "کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" "ہرگز نہیں، عنقریب جان جاؤ گے۔ پھر ہرگز نہیں، عنقریب جان جاؤ گے۔" اردو میں جیسے ؎

اچھا جو خفا ہوتے ہو تم اے صنم اچھا ۔۔۔ لو ہم بھی نہ بولیں گے خدا کی قسم اچھا

اس میں لفظ "اچھا" مکرر ہے۔

(۹) ذکر الخاص بعد العام، یعنی عام شے کو بیان کرنے کے بعد خاص شے کو بیان کرنا۔ جیسے "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" "محافظت کرو نمازوں کی اور درمیانی نماز کی۔"

یہاں "اَلصَّلَوٰات" عام ہے اس کے بعد "الصّلوٰة الوسطیٰ" ذکر کیا جو خاص ہے۔ اردو میں جیسے۔ "تمام طلبہ کو حاضر کرو اور خالد اور شاہد کو بھی"

یہاں "تمام طلبہ" عام ہے۔ اس کے بعد "خالد اور شاہد" کو ذکر کیا جو کہ خاص ہے

(۱۰) ذکر العام بعد الخاص، یعنی خاص شے کو بیان کرنے کے بعد عام شے کو بیان کرنا۔ جیسے "رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ"، "اے میرے پروردگار! تو میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے ماں باپ کے گناہوں کو بھی اور ان لوگوں کے گناہوں کو بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوں، نیز ان تمام مردوں اور عورتوں کے گناہوں کو بھی جو ایمان والے ہیں۔"

یہاں "المومنین والمومنات" عام ہے جس میں وہ سب داخل ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اردو میں جیسے "مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الہ آباد اور دوسرے مدارس اسلامیہ کو دیکھو کہ ان کے طلباء و اساتذہ کی معاشرت کس قدر سادہ ہے۔"

اس میں "مدارس اسلامیہ" عام ہے جس کا ذکر ایک خاص مدرسہ کے بعد کیا گیا ہے۔

سوالات

(۱) مساوات کی تعریف کیجئے اور مثال بھی بتائیے۔

(۲) ایجاز کی تعریف کیجئے اور بتائیے کہ اسکی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ہر قسم کی تعریف اور مثال بتائیے۔

(۳) ؎ ہوں وہ بیمار محبت کہ نہیں تاب و تواں   پنجو قت مری آنکھوں سے ادا ہوتی ہے
بتائیے یہ شعر کس کی مثال ہے اور کس طرح؟ اور کتاب میں اسکی عربی مثال کیا دی گئی ہے؟

(۴) فاللّٰہ ھو الولیُّ، بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟

(۵) حذف کے کے طریقے ہیں اور کیا کیا؟ مثال دیکر واضح کیجئے۔

(۶) علامات حذف کی توضیح کیجئے۔

(۷) اطناب کی تعریف کیجئے اور مثال بتائیے۔

(۸) اطناب کے کے طریقے ہیں اور کیا کیا؟ اجمالاً بتائیے۔

(۹) توشیع کی تعریف کیجئے اور مثال دیکر واضح کیجئے۔

(۱۰) بتائیے تذئیل کی تعریف کیا ہے اور اسکی کے قسمیں ہیں؟ مثال دے کر واضح کیجئے۔

(۱۱) ؎ مثالِ خضر تو اے رہنمائے ملت و دیں   جہاں میں پیر ہو پُر ہو کراموں سے پیر
بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟

(۱۲) ذکر الخاص بعد العام کی مثال دو۔

قد تم بحث علم المعانی فللّٰہ الحمد حمداً لا نہایۃ لہٗ

علمِ بیان

تعریف : بیان کے لغوی معنی ظاہر اور واضح ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں علم بیان وہ علم ہے جس کے ذریعہ ایک مضمون کو کئی طریقوں سے ادا کرنے کا ڈھنگ آجائے۔ اس طرح پر کہ ایک طریقہ سے بیان کرنے میں معنی جلد سمجھ میں آئیں اور دوسرے طریقہ سے ذرا دیر میں اور تیسرے طریقہ سے اور دیر میں۔ اسی طرح جتنے طریقے بیان کے اختیار کئے جائیں ان میں معنی پہلے طریقہ کی بہ نسبت زیادہ مخفی ہوتے جائیں، جیسے یوں کہیں کہ "زید سخی ہے" پھر دوسرے طریقہ سے یوں کہیں کہ "زید کے ہاں کھانا بہت پکتا ہے" پھر تیسرے طریقہ سے یوں کہیں کہ "زید کے ہاں لکڑیاں بہت جلتی ہیں"۔

یہ تینوں عبارتیں ایک ہی مضمون پر دلالت کر رہی ہیں مگر پہلے طریقہ سے مطلب بہت واضح ہے اور دوسرے طریقہ سے کچھ غور کے بعد مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ اور تیسرے طریقہ سے مزید غور کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔

موضوع : دلالت عقلیہ اور اس کے واضح ہونے اور مخفی ہونے کے اعتبار سے کلام بلیغ علم بیان کا موضوع ہے۔

غرض وغایت : ایک معنی کو مختلف طریقوں اور عبارتوں سے

ادا کرنے کا طریقہ معلوم کرنا۔

دلالت مطابقی: یہ ہے کہ لفظ کی دلالت پورے معنی موضوع لہٗ پر ہو جیسے "انسان" کی دلالت "حیوان ناطق" پر (اس کو دلالت وضعیہ بھی کہتے ہیں۔ علم بیان میں اس سے بحث نہیں ہوتی)

دلالت تضمنی: یہ ہے کہ لفظ کی دلالت معنی موضوع لہٗ کے جزو پر ہو جیسے "انسان" کی دلالت "صرف حیوان" یا "صرف ناطق" پر۔

دلالت التزامی: یہ ہے کہ لفظ کی دلالت اس شے پر ہو جو معنیٰ موضوع لہٗ سے خارج ہو لیکن باعتبار ذہن یا عرف کے اس کے لئے لازم ہو کہ اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ جیسے "انسان" کی دلالت "ضاحک" پر اور "آفتاب" کی دلالت "دھوپ" پر (دلالت تضمنی اور دلالت التزامی کو دلالت عقلیہ کہتے ہیں) دلالت عقلیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مجاز (۲) کنایہ۔

(۱) **مجاز:** یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے معلوم ہو کہ یہاں معنی موضوع لہٗ مراد نہیں ہے۔

(۲) **کنایہ:** یہ ہے کہ معنی غیر موضوع لہٗ مراد ہو مگر اس پر کوئی قرینہ نہ ہو۔

تنبیہ: مجاز کی بعض قسمیں "تشبیہ" پر مبنی ہوتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علم بیان تین ابواب پر مشتمل ہے (۱) تشبیہ، (۲) مجاز (۳) کنایہ۔

تشبیہ: ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ کسی ایسی صفت میں لاحق کرنا جو دونوں میں پائی جاتی ہو، تشبیہ کہلاتی ہے۔ جیسے "زیدٌ اسدٌ" "زید شیر ہے۔"

اس میں زید کو شیر کے ساتھ بہادری کی صفت میں لاحق کیا کیونکہ دونوں میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔

ارکانِ تشبیہ: تشبیہ کے ارکان چار ہیں (۱) مشبّہ (۲) مشبّہ بہٖ، (۳) وجہِ شبہ (۴) اداۃ تشبیہ۔

مشبّہ: وہ چیز جس کو تشبیہ دیں۔

مشبّہ بہ: وہ شے جس سے تشبیہ دیں۔ مشبّہ اور مشبّہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔

وجہِ شبہ: وہ صفت جس میں دونوں شریک ہوں۔

اداۃ تشبیہ: وہ حرف جس کے ذریعہ تشبیہ دیں۔ جیسے "کاف" اور "کَاَنَّ" وغیرہ عربی میں اور "مثل" مانند" طرح" وغیرہ اردو میں۔ جیسے:۔
"العلمُ کالنُّورِ فی الھدایۃ" "علم راہ دکھانے میں روشنی کی طرح ہے"۔
اس مثال میں "علم" مشبّہ "نور" مشبّہ بہ "ہدایت" وجہ شبہ اور "کاف" اداۃ تشبیہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ طرفین (مشبہ اور مشبہ بہ) کی باعتبار حسّی[۱] اور عقلی ہونے کے چار قسمیں ہیں۔ (۱) دونوں حسی ہوں۔ جیسے "الخَدُّ کالورد" "رخسار گلاب کے پھول کی طرح ہے"۔

یہاں "خد" (رخسار) مشبہ اور "الورد" مشبہ بہ دونوں حسّی ہیں۔

---

[۱] حسی اسے کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے سمجھا جائے۔ حواس خمسہ ظاہرہ یہ ہیں قوتِ باصرہ[۱] (دیکھنے کی قوت)، قوتِ سامعہ[۲] (سننے کی قوت)، قوتِ شامّہ[۳] (سونگھنے کی قوت)، قوتِ ذائقہ[۴] (چکھنے کی قوت)، قوتِ لامسہ[۵] (چھونے کی قوت) یعنی دیکھ کر، یا سنکر، یا سونگھ کر یا چکھ کر، یا چھو کر جو چیز معلوم ہو وہ حسّی ہے اور عقلی وہ ہے جو ان سے نہ معلوم ہو بلکہ عقل سے معلوم ہو۔ ۱۲ منہ

(۲) دونوں عقلی ہوں۔ جیسے " الجھل کالموت" جہالت موت کے مانند ہے"۔
یہاں " الجھل " مشبہ اور " الموت " مشبہ بہ دونوں عقلی ہیں۔

(۳) مشبہ عقلی ہو اور مشبہ بہ حسی۔ جیسے " المنیۃ کالسبع " " موت درندہ کے مانند ہے"۔
یہاں " المنیۃ " (موت) مشبہ عقلی ہے اور " السبع " (درندہ) مشبہ بہ حسی ہے۔

(۴) مشبہ حسی ہو اور مشبہ بہ عقلی۔ جیسے " طبیب السوء کالموت " بُرا طبیب مثل موت کے ہے۔
یہاں " طبیب السوء " (بُرا طبیب) مشبہ حسی ہے اور " الموت " مشبہ بہ عقلی ہے۔

اغراض تشبیہ : تشبیہ کئی غرض سے لائی جاتی ہے :-

(۱) یہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے کہ مشبہ کا وجود ممکن ہے۔ جیسے ؎

فان تَفُقِ الانامَ وانت منهم　　　فانّ المسك بعض دم الغزال

ترجمہ : اے میرے ممدوح! اگر تم اوصاف حسنہ میں ساری مخلوق سے فائق ہو حالانکہ تم انہی کی جنس سے ہو تو یہ کوئی ناممکن بات نہیں بلکہ ممکن ہے کیونکہ یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ مشک ہرن کے خون ہی کا ایک جزو ہوتا ہے اور اس کے بقیہ تمام اجزاء پر فائق ہوتا ہے۔

اس شعر میں متنبی نے اپنے ممدوح سیف الدولہ کو ساری مخلوق پر فائق قرار دیا (حالانکہ وہ بھی مخلوق ہی کی جنس سے ہے) اور پھر اس فائق ہونے کو اس طرح ممکن ثابت کیا کہ اس کو مشک سے تشبیہ دی کہ جس طرح مشک ہرن کے خون کا

ایک جز و ہونے کے باوجود بقیہ اجزا پر فائق ہے اسی طرح تم بھی مخلوق میں سے ہونے کے باوجود بقیہ تمام پر فائق ہو۔ اردو میں جیسے ؎

سب کو دیکھا اس سے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ　　وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

یہاں شاعر نے دو دعوی کیا۔ ایک یہ کہ معشوق کے ذریعہ سب کو دیکھا مگر اس کو نہ دیکھا، دوسرے یہ کہ وہ آنکھوں میں ہونے کے باوجود آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

بظاہر یہ دونوں باتیں ناممکن معلوم ہوتی ہیں لیکن جب اس کو "نگاہ" سے تشبیہ دی تو یہ ناممکن ممکن ثابت ہو گیا۔ کیونکہ جس طرح نگاہ کے ذریعہ ساری چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن خود "نگاہ" نہیں دکھائی دیتی۔ اسی طرح معشوق کے ذریعہ سب کو دیکھا مگر وہ خود نہ دکھائی دیا۔ اور جس طرح "نگاہ" آنکھوں میں ہونے کے باوجود آنکھوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح معشوق بھی آنکھوں میں ہونے کے باوجود آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

(۲) مشبہ کے حال کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

کأنک شمس والملوک کواکب　　اذا طلعت لم یبد منهن کوکب

ترجمہ: اے ممدوح! گویا تم آفتاب ہو اور تمہارے سوا تمام بادشاہ ستارے ہیں (اور آفتاب کا یہ حال ہے کہ) جب وہ طلوع ہوتا ہے تو پھر کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا یعنی سب ماند پڑ جاتے ہیں۔

اس شعر میں شاعر نے ممدوح کو آفتاب سے اور دوسرے بادشاہوں کو ستاروں سے تشبیہ دے کر دونوں مشبہ (ممدوح اور ملوک) کا حال بیان کیا ہے کہ جسطرح آفتاب کے سامنے ستارے ماند ہو جاتے ہیں اسی طرح میرے ممدوح کی سطوت کے سامنے دوسرے ملوک کی سطوت ماند پڑ جاتی ہے۔

اردو میں جیسے ؎

اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی یا آتشِ مہر کا دخاں تھی

یہاں "شب" کو "زلف" اور "دخاں" سے تشبیہہ دے کر اس کی تاریکی کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔

(۳) مشبہ کے حال کی مقدار بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

فیها اثنتان واربعون حلوبة سودا كخافية الغراب الاسحم

ترجمہ: اس خاندان میں بیالیس ۴۲ دودھ دینے والی ایسی کالی کالی اونٹنیاں ہیں جیسے کالے کلوٹے کوّے کے پر۔

اس میں شاعر نے کالی اونٹنیوں کو کالے کوّے کے پر سے تشبیہہ دی ہے جس سے اونٹنیوں کی سیاہی کی مقدار بیان کرنا مقصود ہے کہ بہت سیاہ ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

یہ حالت قامت خمیدہ جیسے شجر خزاں رسیدہ

اس میں "قامت خمیدہ" کو "شجر خزاں رسیدہ" سے تشبیہہ دے کر اس کے لاغری کے حال کی مقدار بیان کرنا مقصود ہے۔

(۴) مشبہ کا حال سامع کے ذہن نشین کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

ان القلوب اذا تنافر ودّها مثل الزجاجة كسرها لا يجبر

ترجمہ: بلاشبہ لوگوں کے دل جب ان کے دوستانہ تعلقات سے اکھڑ جاتے ہیں شیشہ کی طرح نازک ہیں کہ جس طرح اس کا ٹوٹا ہوا نہیں جوڑا جا سکتا اسی طرح یہ ٹوٹے ہوئے دل بھی باہم نہیں ملائے جا سکتے۔ اردو میں جیسے ؎

جس طرح جڑتا نہیں ٹوٹا ہوا شیشہ کبھی اس طرح سے جڑ نہیں سکتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

ان دونوں شعروں میں "تنافر قلوب" (دلوں کے ٹوٹنے) کو "کسر زجاجۃ" (شیشہ ٹوٹنے) سے تشبیہہ دی تاکہ مشبہ کا حال ذہن میں خوب جم جائے کہ جس طرح ٹوٹے ہوئے

شیشہ کا جڑنا امر محال ہے اسی طرح ٹوٹے ہوئے دلوں کا بھی جڑنا امر محال ہے۔

(۵) مشبہ کو مزین اور خوبصورت بنا کر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

سوداء واضحۃ الجبین   کمقلۃ الظبی العزیز

ترجمہ: میری محبوبہ سیاہ چشم اور روشن پیشانی والی ہے، اس کی آنکھ پیاری ہرن کی آنکھ کی طرح پیاری ہے۔

شاعر نے محبوبہ کی سیاہ آنکھ کو ہرن کی آنکھ سے تشبیہہ دی ہے اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ محبوبہ کی آنکھ نہایت خوبصورت ہے۔ اردو میں جیسے ؎

گوہر نایاب دنداں ہیں دہان یار میں   سرخی لعل بدخشاں ہے زبان یار میں

اس میں "دندان" (دانت) کو "گوہر نایاب (نایاب موتی) سے تشبیہہ دی، یہ بتلانے کے لئے کہ محبوب کے دانت نہایت چمکیلے اور خوبصورت ہیں۔

(۶) مشبہ کو بدصورت اور کریہہ بنا کر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ؎

واذا اشار محدثاً فکانہ   قرد یقهقه او عجوز تلطم

ترجمہ: اور وہ شخص جب گفتگو کرتے وقت ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بندر ہو جو بہت زور سے ہنس رہا ہے یا کوئی بڑھیا ہو جو اپنے ہاتھوں سے اپنے رخساروں پر طمانچہ مار رہی ہے۔

یہاں شاعر نے اپنے مہجو (جس کی ہجو کی جائے) کو ایک خاص بندر اور بڑھیا سے تشبیہہ دی اور مقصود یہ بتانا ہے کہ وہ نہایت بدصورت ہے۔

اردو میں جیسے ؎

زنبور سیاہ خال اس کے   برگد کی جٹائیں بال اس کے

"خال (تل) کو "زنبور سیاہ" (کالی بھڑ) سے اور "بال" کو "برگد کی جٹاؤں"

سے تشبیہ دے کر اس کی بدصورتی کو بیان کیا ہے ۔

تشبیہ کی پہلی تقسیم : طرفین (مشبہ اور مشبہ بہ) کے مفرد اور مرکب ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں :۔

(۱) مفرد کی تشبیہ مفرد سے، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہوں ۔ جیسے :۔
" ضوءہ کالشمس " اس کی روشنی مثل سورج کے ہے۔"

اس میں " ضوء " مشبہ اور " الشمس " مشبہ بہ دونوں مفرد ہیں ۔ اس قسم (تشبیہ مفرد بمفرد) کی بھی چار قسمیں ہیں :۔

۱ : یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مطلق ہوں یعنی کسی قید سے مقید نہوں۔ جیسے۔
" ضوءہ کالشمس " یہاں دونوں مطلق ہیں یعنی ان میں کوئی قید نہیں لگی ہے
اردو میں جیسے ؎

توڑیں چوڑی کی طرح ہتھکڑیاں   کیا ہی زوروں پہ دستِ وحشت ہے

یہاں " چوڑی " مشبہ بہ اور " ہتھکڑیاں " مشبہ دونوں مطلق ہیں ۔

۲- یہ کہ دونوں کسی قید سے مقید ہوں ۔ جیسے " العلم بلا عمل کالشجر بلا ثمر " " علم بلا عمل مثل شجر بلا ثمر کے ہے"۔

یہاں " علم " مشبہ اور " شجر " مشبہ بہ دونوں مفرد ہیں لیکن دونوں میں سے ایک میں " بلا عمل " کی اور ایک میں " بلا ثمر " کی قید لگی ہوئی ہے ۔ اردو میں جیسے ؎

یہ حالت قامت خمیدہ   جیسے شجر خزاں رسیدہ

یہاں " قامت " میں " خمیدہ " کی اور " شجر " میں " خزاں رسیدہ " کی قید لگی ہے ۔

۳ - یہ کہ مشبہ مطلق (غیر مقید) ہو اور مشبہ بہ مقید ہو ۔ جیسے " فلان کالراقم علی صفحات الماء " " فلاں صفحۂ آب پر لکھنے والوں کی طرح ہے ۔"

یہاں " فلاں " مشبہ مطلق ہے اور " الرّاقم علی صفحات الماء " مشبہ بہ مقید۔ کیونکہ " الراقم " کے ساتھ " علی صفحات الماء " کی قید لگی ہوئی ہے۔

اردو میں جیسے ؂

اپنے باغ حسن کا اس نے تماشا دیکھ کر آئینہ جب رکھ دیا پھولوں کی چادر ہوگیا

یہاں " آئینہ " مشبہ مطلق ہے اور " پھولوں کی چادر " مشبہ بہ مقید۔

۴۔ یہ کہ مشبہ مقید ہو اور مشبہ بہ مطلق ہو۔ جیسے " الرّاقم علی الماء کالمجنون " پانی پر لکھنے والا دیوانہ کے مانند ہے۔

یہاں " الرّاقم علی الماء " مشبہ مقید ہے اور " المجنون " مشبہ بہ مطلق۔ اردو میں جیسے ؂

جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ رہتا ہے مدام آبدیدہ

" یہ ستم رسیدہ " مشبہ مقید ہے اور " آئینہ " مشبہ بہ مطلق۔

(۲) مرکب کی تشبیہہ مرکب سے، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب ہوں، (مرکب سے مراد وہ ہیئت ہے جو کئی چیزوں سے مل کر بنے) جیسے ؂

کانّ مثار النقع فوق رؤوسنا واسیافنا لیل تہاوی کواکبہ

ترجمہ: گویا تیز رفتار گھوڑوں کے پیروں سے اُڑی ہوئی گرد جو ہمارے سروں پر ہماری تلواروں کے ساتھ ہے ایک ایسی رات ہے جس کے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جا رہے ہیں۔

اس میں " غبار کی وہ ہیئت جس میں تلواریں اِدھر اُدھر ہل رہی ہوں " مشبہ ہے اور " رات کی وہ ہیئت جس میں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جا رہے ہوں " مشبہ بہ ہے۔

اردو میں جیسے ؂

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ   کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

یہاں "ابر سیاہ کے ہوا پر دوڑنے کی ہیئت" مشبہ ہے اور "فیل مست کا بے زنجیر جانا" مشبہ بہ۔

(۳) مفرد کی تشبیہہ مرکب سے، یعنی مشبہ مفرد ہو اور مشبہ بہ مرکب ہو جیسے ؎

وکان محمر الشقیق اذا تصوب او تصعد
اعلام یاقوت نشرن علی رماح من زبرجد

ترجمہ: گل لالہ بادنسیم کے جھونکوں سے جب کبھی نیچے کی طرف جھکتا ہے یا اوپر کی طرف اٹھتا ہے تو مجھ سے مت پوچھو کہ وہ کتنا حسین اور دلفریب معلوم ہوتا ہے، وہ اپنی سرخیوں کے باوجود اپنی ہری ہری ڈالیوں کے ساتھ ہوا کے جھونکوں سے نیچے جھکتے اور اوپر اٹھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یاقوتی (لال) جھنڈیاں زبرجدی (ہری) نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔

یہاں "شقیق" (گل لالہ) مشبہ مفرد کو ان یاقوتی جھنڈیوں کی ہیئت سے تشبیہہ دی جو زبرجدی نیزوں پر لہرائی گئی ہوں اور یہ مشبہ بہ مرکب ہے۔

اردو میں جیسے ؎

دل کا یہ احوال ہے غم سے ترے اے مست ناز   جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

اس میں مشبہ "دل" مفرد ہے اور مشبہ بہ "مرجھایا ہوا دانہ انگور کا" مرکب ہے۔

(۴) مرکب کی تشبیہہ مفرد سے، یعنی مشبہ مرکب ہو اور مشبہ بہ مفرد۔ جیسے ؎

تریا نہارا مشمسا قد شابہ   زھر الربی کانما ھو مقمر

ترجمہ: تم لوگ دیکھو گے اس دھوپ والے دن کو جس میں ٹیلوں کے پھول مخلوط ہو گئے ہوں (اور اس مخلوط ہو جانے کی وجہ سے دھوپ کی تمازت کم ہو گئی ہو)

وہ گویا چاندنی رات ہے۔

اس میں " اس دھوپ والے دن کی ہیئت جس میں ٹیلوں کے پھول مخلوط ہو گئے ہوں " مشبہ مرکب ہے اور " چاندنی رات " مشبہ بہ مفرد ہے۔ اردو میں جیسے ؎

رخ گلرنگ پہ ساقی کے عرق کا قطرہ کیا تماشا ہے کہ بنجائے ہے مونگا گوہر

اس میں " رخ گلرنگ پہ عرق کے قطرہ کے ہونے کی ہیئت " مشبہ مرکب ہے اور " مونگا " مشبہ بہ مفرد۔

تشبیہ کی دوسری تقسیم : طرفین یا ان میں سے ایک کے متعدد ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں :-

(۱) **ملفوف** : یہ ہے کہ پہلے چند مشبہ لائیں اور اس کے بعد اسی طور پر چند مشبہ بہ ذکر کریں۔ جیسے ؎

کانّ قلوب الطیر رطبا ویابسا لدی وکرھا العناب والحشف البالی

ترجمہ : پرندوں کے دل جب کہ تر و تازہ اور خشک و کہنہ ہوں (عقاب) کے گھونسلے کے پاس گویا عناب اور خشک وردی خرمے ہیں۔

یہاں مشبہ " رطب و یابس " متعدد ہیں جن کو یکجا ذکر کر دیا۔ اس کے بعد ان دونوں کے متعدد مشبہ بہ (عناب اور حشف بالی) ذکر کئے۔ اردو میں جیسے ؎

رو مہتاب و گل و شمع بہم چاروں ایک ہیں، کتاں، بلبل و پروانہ یہ ہم چاروں ایک

یہاں پہلے مصرعہ میں چار قسم کے معشوق ذکر کئے۔ اس کے بعد دوسرے مصرعہ میں ترتیب چار عاشق ذکر کئے۔

(۲) **مفروق** : یہ ہے کہ پہلے ایک مشبہ پھر اس کا مشبہ بہ ذکر کریں اس کے بعد دوسرا مشبہ پھر اس کا مشبہ بہ لائیں۔ دہلم جرًّا۔ جیسے ؎

النشر مسك والوجوه دنا نیر واطراف الاكف عنم

ترجمہ: ان بیگمات کی مہک مشک اور ان کے چہرے خوبصورتی میں اشرفیاں ہیں اور ان کی ہتھیلیوں کے سرانگشت عنم کے درخت ہیں (عنم ایک درخت ہے جس کا پھول سرخ اور ڈالیاں نرم و نازک ہوتی ہیں۔)

یہاں پہلے ایک مشبہ "النشر" لائے۔ پھر اس کا مشبہ بہ "مسك" ذکر کیا اس کے بعد دوسرا مشبہ "الوجوہ" لائے پھر اس کا مشبہ بہ "دنانیر" ذکر کیا۔ اس کے بعد تیسرا مشبہ "اطراف الاکف" لائے پھر اس کا مشبہ بہ "عنم" ذکر کیا۔ اردو میں جیسے ؎

شوخی اس چہرے میں یوں گل میں ہو جیسے حمرت ناز یوں چشم میں نرگس میں جیسے نکہت

یہاں "شوخی" مشبہ کے بعد "حمرت" اس کا مشبہ بہ۔ پھر اس کے بعد "ناز" مشبہ کے بعد "نکہت" اس کا مشبہ بہ ذکر کیا۔

(۳) تسویہ: یہ ہے کہ مشبہ متعدد ہو اور مشبہ بہ ایک ہو۔ جیسے ؎

صدغ الحبیب وحالی کلاهما کاللیالی

ترجمہ: محبوبہ کی کنپٹی اور میری حالت دونوں سیاہی میں راتوں کیطرح ہیں۔

اس میں مشبہ "صدغ" اور "حال" دو چیزیں ہیں اور مشبہ بہ "اللیالی" ایک ہے۔ اردو میں جیسے ؎

دل کو میاں خط و زلف تو جور کھے تو عدل
اک یہ مرغ ناتواں جس کیلئے ہیں دام دو

اس میں مشبہ "خط" اور "زلف" دو چیزیں ہیں اور مشبہ بہ "دام" ایک ہے۔

(۴) **جمع** : یہ ہے کہ مشبہ بہ متعدد ہو اور مشبہ ایک ہو۔ جیسے ؎

کانما یتبسم عن لؤلوء منضد او برد او اقاح

ترجمہ : گویا وہ معشوقہ ایسے صاف و شفاف موتی سے مسکراتی ہے جو تہ بہ تہ ملے ہوئے ہیں، یا چمکدار اولوں سے یا گل بابونہ سے (جو نہایت سفید ہوتا ہے)

اس میں مشبہ ایک ہے اور وہ محذوف ہے۔ یعنی "الاسنان" (دانت) اور مشبہ بہ تین ہیں۔ "لؤلوء، بَرَد" اور "اقاح" اردو میں جیسے یہ قطعہ:۔

ہے کف دست پہ صاحب کے جو یہ چکنی ڈلی زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھئے حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہئے

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھئے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہئے

یہاں "چکنی ڈلی" مشبہ ہے اور اس کے مشبہ بہ کئی ہیں۔

وجہ شبہ کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) **تحقیقی** : یہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ حقیقی طور پر کسی صفت میں شریک ہوں۔ یعنی وجہ شبہ حقیقی ہو۔ جیسے "خالدٌ کالاسد" خالد شیر کی طرح ہے۔

یہاں "خالد" اور "شیر" دونوں شجاعت میں حقیقی طور پر شریک ہیں۔

(۲) **تخییلی** : یہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں یا ان میں سے ایک محض خیالی طور پر کسی صفت میں شریک ہو۔ یعنی وجہ شبہ خیالی ہو حقیقی نہو۔ جیسے ؎

وکان النجوم بین دجاہ سنن لاح بینھن ابتداع

ترجمہ : گویا کہ ستارے ان راتوں کی تاریکیوں میں سنتیں ہیں جسکے درمیان بدعت ظاہر ہوئی ہے۔

یہاں پر "سنتوں کے سیاہ چیزوں کے درمیان چمکنے کی ہیئت"، جو کہ مشبہ بہ ہے

حقیقی نہیں ہے بلکہ تخییلی ہے۔ اردو میں جیسے ؎

نہ برق کو تپ ولرزہ نہ ابر کو ہو زکام　　نہ آب میں ہو رطوبت نہ خاک کو تبخیر

تشبیہ کی تیسری تقسیم : وجہ شبہ کے اعتبار سے

تشبیہ کی چھ قسمیں ہیں :-

(۱) **تمثیل** : وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ کئی چیزوں سے اخذ کی گئی ہو۔ مثلاً "ثریا" (پروین) کی تشبیہ غنچہ دار انگور کے گچھے سے۔ جیسے ؎

وقد لاح فی الصبح الثریا کما تری　　کعنقود ملاحیة حین نوّرا

ترجمہ : اور صبح کے وقت (آخر شب) ثریا ظاہر ہوا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اس طرح جیسے سفید بڑے بڑے انگوروں کا خوشہ جب وہ غنچہ دار ہو۔

اس میں یہ ہے کہ "ثریا" چند ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے جس میں متعدد شکلیں ہیں۔ اسی طرح "خوشہ" میں سفید انگوروں کی مختلف شکلیں ہیں اور پھر ان سب کا "مجموعی طور پر خاص کیفیتوں کے ساتھ ظاہر ہونا" وجہ شبہ ہے۔

اردو میں جیسے ؎

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ　　کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

یہاں پر "اس مست ہاتھی کے جو بے زنجیر ہو دوڑنے اور ابر سیاہ کے ہوا پہ دوڑنے کی جو کیفیت اخذ ہو رہی ہے" وہ وجہ شبہ ہے۔

(۲) **غیر تمثیل** : وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ متعدد چیزوں سے نہ اخذ کی گئی ہو۔ جیسے "الخدُّ احمر کالورد"، "رخسار گلاب کی طرح سرخ ہے"۔ اس میں "سرخی" وجہ شبہ ہے۔

(۳) **جلی** : وہ تشبیہ ہے جس کو ہر شخص سمجھ لے۔ جیسے "زیدٌ اسدٌ"

"زید شیر ہے"۔ یعنی "بہادری" میں۔

(۴) **خفی** : وہ تشبیہ ہے جس کو صرف خاص لوگ سمجھیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں :۔

۱۔ قریب : وہ ہے جس میں ذہن مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف بغیر دقت کے منتقل ہو جائے۔ جیسے آفتاب کو صاف شفاف آئینہ سے تشبیہ دینا گولائی اور صفائی میں۔

۲۔ بعید : وہ ہے جس میں ذہن مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف غور و فکر کے بعد منتقل ہو جیسے "ان کوئلوں کی تشبیہ جن میں آگ لگ رہی ہو مشک کے دریا سے جس کی موجیں سونے کی ہوں"۔

(۵) **مفصّل** : وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ ذکر کی گئی ہو۔ جیسے ؎

و ثغرہٗ فی صفاء وادمعی کاللآلی

ترجمہ : اور اس کے دانت اور میرے آنسو صاف و شفاف ہونے میں موتیوں کی طرح ہیں۔ یہاں وجہ شبہ "صفا" مذکور ہے۔

(۶) **مجمل** : وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ ذکر نہ کی گئی ہو۔ جیسے "النحو فی الکلام کالملح فی الطعام" "نحو کلام میں ایسا ہے جیسے کھانے میں نمک۔"

یہاں وجہ شبہ "اصلاح کرنا اور لذیذ بنانا" مذکور نہیں ہے۔

تشبیہ کی چوتھی تقسیم : حرف تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) **مؤکد** : وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ محذوف ہو۔ جیسے :۔

"ھو بحر فی الجود" "وہ سخاوت میں سمندر ہے"

یہاں حرف تشبیہ مذکور نہیں ہے۔

(۲) **موسل**: وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ محذوف نہ ہو۔ جیسے:۔
"ھو کالبحر فی الکرم" "وہ کرم میں سمندر کی طرح ہے"۔ اس میں حرف تشبیہ (کاف) مذکور ہے۔

تشبیہ کی پانچویں تقسیم: غرضِ تشبیہ کے اعتبار سے

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) **مقبول**: وہ تشبیہ ہے جس سے غرض تشبیہ پورے طور پر حاصل ہو جیسے تشبیہ کی امثلۂ سابقہ، کہ سب مقبول ہی ہیں۔

(۲) **مردود**: وہ تشبیہ جس سے غرض تشبیہ پورے طور پر حاصل نہ ہو۔ جیسے ممدوح کے چہرہ کی صفائی اور گولائی میں بجائے "بدر" (کامل چاند) سے تشبیہ دینے کے جو کہ تشبیہ مقبول ہے "رغیف" (روٹی) سے تشبیہ دے دی جائے اور کہا جائے کہ "وجھہ کالرغیف" اس کا چہرہ روٹی کی طرح ہے۔

تشبیہ کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جسمیں صرف وجہ شبہ اور حرف تشبیہ کو حذف کیا جائے۔ جیسے "زیدٌ اسدٌ" زید شیر ہے۔ اس میں وجہ شبہ "شجاعت" اور حرف تشبیہ "کاف" محذوف ہے۔ یا وجہ شبہ، حرف تشبیہ اور مشبہ، تینوں کو حذف کیا جائے۔ جیسے زید کے متعلق کہا جائے "اَسَدٌ"۔ شیر ہے۔ یہاں صرف مشبہ بہ مذکور ہے اور بقیہ تین ارکان محذوف ہیں۔

پھر اس کے قریب اس تشبیہ کا مرتبہ ہے جسمیں مشبہ کو حذف کریں اور وجہ شبہ و حرف تشبیہ میں سے کوئی ایک حذف کریں۔ جیسے "کالاَسَدِ" شیر کی طرح ہے۔ یہاں وجہ شبہ اور مشبہ محذوف ہے۔

سوالات

(۱) علم بیان کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت بتایئے۔
(۲) دلالت وضعیہ اور دلالت عقلیہ کی تعریف مع امثلہ بتایئے۔
(۳) بتایئے دلالت عقلیہ کی کے قسمیں ہیں اور کیا کیا ؟
(۴) تشبیہ کی تعریف مع مثال بتایئے اور بتایئے کہ ارکان تشبیہ کتنے ہیں اور کیا کیا؟ اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے ؟ مثال دیکر واضح کیجئے۔
(۵) طرفین کی باعتبار حسی اور عقلی ہونے کے کتنی قسمیں ہیں ؟ مع امثلہ بتایئے۔
(۶) بتایئے اغراض تشبیہ کیا ہیں ؟ بعض کی مثالیں دیکر واضح کیجئے۔
(۷) سہ یہ حالت قامت خمیدہ جیسے شجر خزاں رسیدہ
بتایئے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح ؟ اور کتاب میں اسکی عربی مثال کیا دی گئی ہے ؟
(۸) تشبیہ ملفوف اور تشبیہ مفروق کی تعریف کر کے انکی مثالیں دیجئے۔
(۹) بتایئے وجہ شبہ کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ؟ مثالوں سے واضح کیجئے۔
(۱۰) تشبیہ تمثیل اور تشبیہ مفصل کی تعریف مع امثلہ کیجئے۔
(۱۱) بتایئے تشبیہ موکد اور تشبیہ مرسل میں کیا فرق ہے ؟
(۱۲) بتایئے تشبیہ کا اعلیٰ درجہ کیا ہے ؟

مجاز

مجاز کی دو قسمیں ہیں (۱) مجاز مفرد (۲) مجاز مرکب۔

مجاز مفرد: وہ کلمہ ہے جو اصل معنی (معنی موضوع لہ) میں استعمال نہ کیا گیا ہو اور کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو پہلے (اصل معنی) کو مراد لینے سے روکے۔ جیسے "دُرَرٌ" (موتیاں) اس قول میں "فلان یتکلم بالدُّرَرِ" "فلاں کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں"۔ دیکھو! یہاں پر لفظ "دُرَرٌ" (موتیاں) اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ کلمات فصیحہ اور عمدہ و دلچسپ باتوں و شیریں گفتاریوں کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جو کہ اس کا غیر اصلی معنی ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ منہ سے "موتیاں" نہیں جھڑتیں بلکہ باتیں جھڑتی ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ مجاز کے لئے ضروری ہے کہ معنی موضوع لہ (اصل وحقیقی معنی) اور معنی غیر موضوع لہ (مجازی اور غیر حقیقی معنی) کے درمیان کوئی علاقہ ہو۔

علاقہ کے اعتبار سے مجاز کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **مجاز مرسل:** وہ مجاز ہے جس میں علاقۂ تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہو (مثلاً علاقۂ سببیت یا علاقۂ مسببیت، یا علاقۂ جزئیت وکلیت، یا علاقۂ لزوم وغیرہ) جیسے "امطرت السماء نباتا" آسمان نے سبزہ برسایا یعنی پانی برسایا ظاہر ہے کہ آسمان پانی برساتا ہے نہ کہ سبزہ۔ البتہ پانی سبزہ اُگنے کا سبب ہے اس لیے اس مثال میں "نبات" (سبزہ) مسبب ہے اور "پانی" سبب، اور مسبب (سبزہ) بول کر سبب (پانی) مراد لیا گیا ہے۔ جو کہ اس کا اصل معنی نہیں ہے اور یہاں پر اصلی معنی اور غیر اصلی معنی کے درمیان چونکہ مشابہت کا علاقہ نہیں ہے

مسببیت کا علاقہ ہے۔ اس لئے یہ مجاز مرسل ہے۔

(۲) **استعارہ**: وہ مجاز ہے جس میں تشبیہ کا علاقہ ہو۔ جیسے "کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ" "یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں"۔ یہاں پر "ظلمات" (تاریکیوں) سے مراد "ضلال" (گمراہی) ہے اور "نور" (روشنی) سے مراد "ہدایت" ہے۔ جو کہ اس کا اصلی معنی نہیں ہے اور چونکہ اصلی اور غیر اصلی معنی کے درمیان علاقہ تشبیہ کا ہے۔ یعنی "ضلال" کو "ظلمات" سے اور "ہدیٰ" کو "نور" سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے یہ استعارہ ہے۔

فائدہ: استعارہ میں مشبہ کو "مستعار لہ" اور مشبہ بہ کو "مستعار منہ" اور وجہ شبہ کو "وجہ جامع" اور جس لفظ کے ذریعہ استعارہ کرتے ہیں اس کو "مستعار" کہتے ہیں۔

استعارہ کی پہلی تقسیم

مستعار لہ کے تحقق اور طرفین (مستعار لہ اور مستعار منہ) کے یکجا جمع ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) **تحقیقیہ**: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ حسی یا عقلی طور پر متحقق ہو۔

حسی کی مثال جیسے ؎

لدیٰ اسدٍ شاکی السلاح مقذّفٍ   لہ لِبَدٌ اظفارُہ لم تُقَلَّمِ

ترجمہ: ایک ایسے شیر کے نزدیک جو پورے ہتھیاروں سے آراستہ ہے اس کے مونڈھوں کے بال لٹک رہے ہیں اور پنجوں کے ناخن ترشوائے نہیں گئے ہیں۔

اس میں "مرد بہادر" کے لئے "اسد" (شیر) مستعار ہے جو حسی طور پر متحقق ہے
اور عقلی کی مثال۔ جیسے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" "بتلا ہمکو راہ سیدھی"۔
یہاں "دین اسلام" کے لئے "الصراط المستقیم" مستعار ہے، جو عقلی طور پر متحقق ہے۔

(۲) تخییلیہ : وہ استعارہ ہے جسمیں مستعار لہ، کا تحقق حسی یا عقلی طور پر نہو (چونکہ استعارہ تخییلیہ، استعارہ مکنیہ کے تابع ہے اسلئے اسکی مثال وہیں آئیگی۔

(۳) وفاقیہ : وہ استعارہ ہے کہ کسی ایک شے میں مستعار لہ، اور مستعار منہ کا ایک ساتھ جمع ہونا ممکن ہو۔ جیسے "اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ" "بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کر دیا"۔
یہاں "مردہ" سے مراد "گمراہ" اور "زندہ کرنے" سے مراد "ہدایت دینا" ہے ایک شے کو "زندہ کرنا" اور اسے "ہدایت دینا" دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔
اردو میں جیسے ؎

یہ سُنتے ہی تھرّا گیا گلّہ سارا   یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

یہاں "پیغمبر" کا استعارہ "راعی" سے کیا ہے۔ ایک شخص راعی بھی ہو اور پیغمبر بھی، یہ ہو سکتا ہے۔

(۴) عنادیہ : وہ استعارہ ہے کہ مستعار لہ، اور مستعار منہ کا ایک ساتھ جمع ہونا ناممکن ہو۔ جیسے ایک موجود شے سے فائدہ نہو تو اس کیلئے معدوم کا استعارہ کریں۔ ظاہر ہے وجود اور عدم کا ایک شے میں جمع ہونا محال ہے۔ اردو میں جیسے ؎

تم ہی کچھ ایسے نہ دنیا میں جفا کار ملے   جو ملے مجھ کو سو ایسے ہی وفادار ملے

یہاں "بیوفا" کا استعارہ "وفادار" سے کیاہے۔ دونوں کا ایک ساتھ

جمع ہونا محال ہے۔

استعارہ کی دوسری تقسیم

وجہ جامع کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **عامیہ** : وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع ظاہر ہو۔ جیسے "رأیتُ أسَداً یرمی" "میں نے ایک شیر کو تیر اندازی کرتے دیکھا"۔

اس کو "مبتذلہ" بھی کہتے ہیں۔

(۲) **خاصیہ** : وہ ہے جس میں وجہ جامع ظاہر نہ ہو اور جس کو صرف خواص ہی سمجھ سکیں۔ جیسے "فلان غمر الرداء" "فلاں بہت چادر والا ہے" یعنی بہت بھلائی کرنے والا ہے۔

اس میں "بھلائی کرنے" کیلئے "ردار" (چادر) کا استعارہ کیا گیا۔ وجہ جامع اس میں دفع مضرت و ستر عیوب ہے جو ظاہر نہیں ہے اسے خواص ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

فغاں یہاں بن ہمارے قلقل مینا نہ ہووے گا ۔ مے رنگیں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے روئے گا

اس میں "صراحی کی آواز" کیلئے "ہچکی" کا استعارہ کیا گیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں آواز کا رک رک کر نکلنا ہے جسے صرف خواص ہی سمجھتے ہیں۔ اس کو "غریبہ" بھی کہتے ہیں۔

استعارہ کی تیسری تقسیم

لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **اصلیہ**: وہ استعارہ ہے جسمیں لفظ مستعار اسم جنس (اسم غیر مشتق) ہو۔ جیسے "اسد" (شیر) کا استعارہ "شجاع" کے لئے مثلاً "رأیت اسداً یخاطب النّاس" "میں نے شیر کو دیکھا لوگوں سے خطاب کر رہا تھا۔"

اس میں "اسد" لفظ مستعار ہے اور اسم جنس ہے۔

(۲) **تبعیہ**: وہ ہے جسمیں لفظ مستعار فعل یا حرف یا اسم مشتق ہو۔ جیسے "فلان رکب کتفی غریمہٖ" "فلاں اپنے قرضدار کے کندھوں پر سوار ہو گیا" اس کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قرضدار کے پیچھے بُری طرح سے پڑ گیا۔ اس میں لفظ مستعار "رَکِبَ" فعل ہے۔ اردو میں جیسے یوں کہیں کہ "زید نے تو عمرو کو مار ہی ڈالا" مطلب یہ ہے کہ بہت مارا ہے۔ اس میں "مار ڈالا" فعل لفظ مستعار ہے۔

استعارہ کی چوتھی تقسیم

اپنے مناسبات اور متصلات کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) **مطلقہ**: وہ استعارہ ہے جسمیں مستعار لہ اور مستعار منہ میں سے کسی کے کسی قسم کے مناسبات ذکر نہ کئے گئے ہوں۔ جیسے "رأیت اسداً" میں نے ایک شیر دیکھا۔ جب کہ "شیر" سے مراد "مرد بہادر" ہو۔ یا جیسے اردو میں اس شعر میں ؎

بڑھتے تو کبھی صورت شمشیر نہ رُکتے غصے میں کسی طور سے وہ شیر نہ رُکتے

(۲) **مجردہ**: وہ ہے جسمیں صرف مستعار لہ کے مناسبات ذکر کئے گئے ہوں جیسے "ھو غمرُ الرّداءِ" "وہ بہت چادر والا ہے۔"

یہاں "غمر الرداء" کا لفظ "کثیر العطاء" (بہت بخشش کرنے والے) کیلئے مستعار لیا گیا ہے۔ اور یہاں "غمر" کے معنی "کثیر" کے ہیں جو چادر کے مناسب نہیں کیونکہ اس کے مناسب تو "وسیع" وغیرہ الفاظ ہیں۔ بلکہ یہ عطاء کے مناسب ہے جو کہ مستعار لہٗ ہے۔ اردو میں جیسے ؎

اقرار ہے صاف آپ کے انکار سے ظاہر   ہے مستیٔ شب نرگس میخوار سے ظاہر

اس میں آنکھ کیلئے نرگس کا استعارہ کیا ہے اور آنکھ جو کہ مستعار لہ ہے اس کے مناسبات مستی و میخواری کا ذکر کیا ہے۔

(۳) مرشحہ: وہ ہے جس میں صرف مستعار منہ کے مناسبات ذکر کئے گئے ہیں جیسے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ" یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلہ میں پس نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت"۔

اس میں "اشتراء" (خریدنے) کا استعارہ استبدال (بدلہ میں لینے) کے لئے کیا گیا ہے اور "ربح" (نفع) و "تجارۃ" کے الفاظ مستعار منہ کے مناسب ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

جو سوئے جیب ہیں ہم سرنگوں سبب یہ ہے   کہ دل کے زخم کو مژگاں سے رفو کرتے ہیں

یہاں "مژگاں" مستعار لہ اور "سوئی" مستعار منہ ہے۔ اور "رفو" مستعار منہ کے مناسب ہے۔

استعارہ کی پانچویں تقسیم

طرفین استعارلہ اور مستعار منہ کے ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **مصرحہ** : وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار منہ (مشبہ بہ) صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ جیسے ؎

فامطرت لؤلؤاً من نرجس وسقت　　ورداً وعضت علی العناب بالبرد

ترجمہ : معشوقہ نے نرگس سے موتی برسائے، گلاب کو شاداب کیا اور عناب کو اولے سے کاٹ کھایا۔

اس میں "موتی، نرگس، عناب" اور "اولے" مستعار منہ ہیں جو صراحۃً مذکور ہیں اور اسی ترتیب سے "آنسو، آنکھ، گال، انگلیوں کے پورے" اور "دانت" مستعار لہ (مشبہ) ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

ربط رہنے لگا اس شمع کو پروانوں سے　　آشنائی کا کیا حوصلہ بیگانوں سے

اس میں "شمع" اور "پروانے" مستعار منہ ہیں جو صراحۃً مذکور ہیں اور "معشوق" اور "عاشق" مستعار لہ ہیں۔

(۲) **مکنیہ** : وہ استعارہ ہے کہ متکلم ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اپنے دل ہی میں تشبیہ دے لے اور ارکان تشبیہ میں سے سوائے مشبہ (مستعار لہ) کے کچھ اور ذکر نہ کرے۔ لیکن اس تشبیہ کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ وہ شے جو مشبہ بہ (مستعار منہ) کے لوازم اور خصوصیات میں سے ہو مشبہ (مستعار لہ) کیلئے ثابت کی جاتی ہے۔ جیسے ؎

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا　　الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

ترجمہ : اور جب موت اپنا ناخن چبھو دے گی، تو ہر تعویذ کو تم بیکار پاؤگے دیکھو! یہاں "موت" مشبہ (مستعار لہ) ہے جو مذکور ہے اور "درندہ جانور" مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے جو محذوف ہے۔ یہ "استعارہ مکنیہ" ہے۔ اور اس

تشبیہ کا پتہ اس سے چلا کہ موت کے لیے "ناخن" (چنگل) ثابت کیا ہے جو کہ درندہ کی خصوصیات اور لوازم میں سے ہے کیونکہ موت کے چنگل نہیں ہوتا۔ یہی "موت" (مستعار لہ) کے لیے "چنگل" جو کہ "درندہ" (مستعار منہ) کی خصوصیت ہے ثابت کرنا" استعارہ تخییلیہ" ہے۔ اردو میں اسی طرح کا یہ مصرعہ ہے ع

موت کے چنگل سے بچنا ہے محال

مجاز مرکب: وہ جملہ ہے جو اس معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا گیا ہو، جس کو اس جملہ کے موضوع لہ معنی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ بطور تمثیل کے جیسے کسی ایسے آدمی سے جو کسی کام میں متردد ہو یہ کہنا " انی اراك تقدم رجلاً وتوخر اخری" "میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک پیر آگے بڑھاتے ہو اور دوسرا پیر پیچھے ہٹاتے ہو"۔

دیکھو! یہ ایک لفظ مرکب (جملہ) ہے جو پیر آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کے موقع پر بولا جاتا ہے اور یہاں کسی امر میں تردد کے موقع پر بولا گیا ہے۔

اردو میں جیسے ؎

کبھی کہتے ہو کہ آ کبھی کہتے ہو کہ جا کیا کبوتر کی طرح دیتے ہو بھڑیاں ہمکو

سوالات

(۱) بتایئے مجاز مفرد کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا؟ اور مجاز مفرد کی کیا تعریف ہے؟ مثال بھی بتایئے۔

(۲) بتایئے علاقے کے اعتبار سے مجاز کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور مجاز مرسل کی کیا تعریف ہے؟ واضح کرکے بتایئے۔

(۳) بتایئے امطرت السماء نباتا کس کی مثال ہے اور کس طرح؟

(۴) استعارہ کی تعریف کیجئے اور مثال دے کر واضح کیجئے۔

(۵) بتایئے مستعار لہ، مستعار منہ، مستعار اور وجہ جامع کسے کہتے ہیں؟

(۶) استعارہ تحقیقیہ، تخییلیہ، وفاقیہ اور عنادیہ میں سے ہر ایک کی تعریف مع امثلہ بتایئے۔

(۷) بتایئے فلان غمر الرداء کس کی مثال ہے؟

(۸) استعارہ اصلیہ اور تبعیہ کی تعریف مع امثلہ بتایئے۔

(۹) مناسبات کے اعتبار سے استعارہ کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا؟ مع امثلہ بتایئے۔

(۱۰) ؎ اقرار ہے صاف آپ کے انکار سے ظاہر — ہے مستیٔ شب نرگسِ مخمور سے ظاہر

بتایئے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟ اور کتاب میں اسکی عربی مثال کیا دی گئی ہے؟

(۱۱) استعارہ مصرحہ اور مکنیہ میں سے ہر ایک کی تعریف مع امثلہ کیجئے۔

(۱۲) "انی اراك تقدم رجلا و تؤخر اخری" بتایئے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟

کِنایہ

کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کا لازم معنی مراد لیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے معنی ملزوم (اصل معنی) کا بھی مراد لینا درست ہو۔ جیسے "طویل النجاد" کے اصل معنی (معنی ملزوم) "لمبے پرتلہ والا" کے ہیں اور لمبے پرتلہ والے کو لمبا قد والا ہونا لازم ہے چنانچہ اس سے "لمبے قد والا" مراد ہے جو اس کے اصل معنی کا لازم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے اصل معنی یعنی پرتلہ کا لمبا ہونا بھی مراد لینا درست ہے۔

یہیں سے کنایہ اور مجاز کا فرق بھی معلوم ہو گیا کیونکہ مجاز میں اصلی معنی مراد نہیں ہو سکتا اور کنایہ میں اصلی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

فائدہ : کنایہ میں جو معنی مراد ہوتے ہیں اس کو "مکنی عنہ" کہتے ہیں مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ کنایہ ہے جس میں مطلوب (مکنی عنہ) صفت واقع ہو۔ صفت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ صفت بعیدہ : وہ صفت ہے جس میں مکنی عنہ کی طرف ذہن کسی واسطہ سے منتقل ہو۔ جیسے "کثیر الرماد" "بہت زیادہ راکھ والا" کنایہ ہے مرد سخی سے۔ اس میں اس معنی کی طرف ذہن کئی واسطوں سے منتقل ہوا کیونکہ "بہت زیادہ راکھ والا" سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اس کے ہاں لکڑیاں بہت جلتی ہیں پھر اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اس کے ہاں کھانا بہت پکتا ہے۔ پھر اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اس کے ہاں مہمان بہت آتے ہیں۔ اور اتنے واسطوں سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ وہ سخی ہے۔

۲۔ صفت قریبہ : وہ صفت ہے جسمیں ذہن بلا کسی واسطہ کے منتقل ہو جیسے "طویل النجاد" لمبے پرتلہ والا۔ کنایہ ہے "لمبے قد والے" سے کیونکہ ظاہر ہے کہ

جو لمبا ہو گا اس کا پرتلہ بھی لمبا ہو گا۔

(۲) وہ کنایہ ہے جس میں مطلوب (مکنی عنہ) نسبت واقع ہو۔ جیسے:۔

" المجد بین ثوبیہ والکرم تحت ردائہ " "بزرگی اس کے دونوں کپڑوں کے درمیان ہے اور فیاضی اس کی چادر کے نیچے ہے"۔

یہ کنایہ ہے اس سے کہ ممدوح کی طرف "مجد و کرم" منسوب ہے۔

(۳) وہ کنایہ ہے جس میں مکنی عنہ موصوف واقع ہو۔ جیسے "انسان" سے کنایہ کرتے ہوئے کہیں کہ " حی مستقیم القامۃ عریض الاظفار" "زندہ، کھڑے قامت والا اور چوڑے ناخنوں والا۔"

یہاں "انسان" مکنی عنہ ہے اور وہی ان صفات کا موصوف ہے کیونکہ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔

اس کے علاوہ بھی کنایہ کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) **تعریض** : وہ کنایہ ہے جس میں موصوف مذکور نہ ہو۔ یا تعریض کہتے ہیں کلام کو کسی ایک جانب مائل کر دینے کو۔ یعنی اس میں اشارہ ایک جانب کرتے ہیں اور مراد دوسری جانب ہوتی ہے۔ جیسے کسی ایسے شخص سے جو لوگوں کو نقصان پہنچایا کرتا ہو، کہیں "خیر الناس من ینفعھم" "بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے"۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ تم بہترین آدمی نہیں ہو۔

(۲) **تلویح** : وہ کنایہ ہے جس میں واسطے بہت ہوں۔ جیسے "کثیر الرماد" میں، جس کی تشریح گزر چکی۔

(۳) **رمز** : وہ کنایہ ہے جس میں واسطے کم ہوں لیکن اس میں کچھ پوشیدگی ہو جیسے " عریض القفا " چوڑی گدی والا۔ کنایہ ہے "بیوقوف" سے۔

(۴) ایماء و اشارہ : وہ کنایہ ہے جس میں واسطے کم ہوں یا نہوں اور پوشیدگی نہو۔ جیسے " الفضل یسیر حیث سار فلان " "فضل و بزرگی فلاں کیساتھ چلتی ہے"۔ یہ کنایہ ہے "فلاں کے صاحبِ فضل ہونے" سے اردو میں جیسے ؎

جُوا اُن کا دن رات کی دل لگی تھی　　شراب ان کی گھُٹی میں گویا پڑی تھی

"شراب کا گھٹی میں پڑا ہونا" اشارہ ہے "شروع عمر ہی سے میخواری کے عادی ہونے" کی طرف۔

علماء بلاغت کا اتفاق ہے کہ کنایہ صریح سے، مجاز حقیقت سے اور استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہے۔

سوالات

۱۔ کنایہ کی تعریف کیجئے اور مثال دے کر واضح کیجئے۔

۲۔ بتائیے مکنی عنہ کسے کہتے ہیں اور مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

۳۔ صفت بعیدہ اور صفت قریبہ میں سے ہر ایک کی تعریف مع امثلہ کیجئے۔

۴۔ بتائیے المجد بین ثوبیہ والکرم تحت ردائه کس کی مثال ہے اور کیوں؟

۵۔ تعریض کی تعریف کیجئے اور مثال دیجئے۔

۶۔ تلویح، رمز، اور ایماء میں سے ہر ایک کی تعریف مع امثلہ کیجئے۔

۷۔ ؎ جُوا ان کا دن رات کی دل لگی تھی　　شراب انکی گھٹی میں گویا پڑی تھی

بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟ اور کتاب میں اس کی عربی مثال کیا دی گئی ہے؟

قد تم بحث علم البیان فللہ الحمد حمداً لا نہایۃ لہ۔

عِلمِ بَدیع

تعریف : بدیع کے لغوی معنی ہ انوکھا، نوایجاد شے، اور بٹی ہوئی رسّی کے ہیں اور اصطلاح میں وہ علم ہے جس کے ذریعہ فصیح و بلیغ کلام کو خوبصورت بنانے کے طریقے معلوم ہوں۔ مگر ان طریقوں سے کلام میں خوبصورتی جب ہی سمجھی جائے گی جب کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور اس کی دلالت مقصود پر واضح ہو۔

موضوع : بلغار کی عبارتیں اور مضامین اس حیثیت سے کہ وہ مذکورہ بالا طریقے کے مطابق ہوں علم بدیع کا موضوع ہیں۔

غرض وغایت : فصیح اور مقتضائے حال کے مطابق کلام میں زیادہ حسن وخوبی پیدا کرنے کے طریقے معلوم کرنا۔

کلام کو حسین اور خوبصورت بنانے والے طریقوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) محسّنات معنویہ، یعنی جن سے کلام کے معنی میں حسن وجمال پیدا ہوتا ہے۔

(۲) محسّنات لفظیہ، یعنی جن سے لفظ میں حسن وجمال پیدا ہوتا ہے۔

محسّنات معنویّہ

مطابقة : (اس کو صنعتِ طباق اور تضاد بھی کہتے ہیں) کلام میں ضدین کا جمع کرنا۔ یعنی ایسے دو الفاظ لانا جن کے معنوں میں فی الجملہ تقابل اور ضد ہو۔

اس کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) **طباق الایجاب** : یہ ہے کہ متضاد الفاظ کے ساتھ حرف نفی نہو، یا منطق کی زبان میں یہ کہ قضیہ موجبہ ہو اور اسمیں الفاظ متقابل ہوں۔ جیسے آیت کریمہ " وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ " "اور اے مخاطب! تو ان کو دیکھے تو جاگنے والا سمجھے گا حالانکہ سو رہے ہیں"۔

اس میں " ایقاظا " (جاگنے والے) اور " رقود " (سونے والے) میں تقابل ہے

اردو میں جیسے ؎

نے گل کو یاں ثبات نہ شبنم کو ہے قرار — کیا روئے اس چمن میں کوئی اور کیا ہنسے

یہاں " روئے " اور " ہنسے " میں تقابل ہے۔

(۲) **طباق السلب** : یہ ہے کہ کلام میں ایک ہی مصدر کے دو فعل لائے جائیں جن میں ایک فعل مثبت ہو اور دوسرا فعل منفی۔ جیسے " وَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ " "اور تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو"۔

یہاں " فلا تخشوا " (مت ڈرو) اور " اخشوا " (ڈرو) میں تضاد ہے۔

اردو میں جیسے ؎

ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے — جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

یہاں " نہ وہ سمجھے " اور " سمجھے " میں تضاد ہے۔

مقابلہ : یہ ہے کہ دو یا زیادہ متوافق[ع] معنی لائے جائیں پھر علی الترتیب ہر لفظ کا متقابل لایا جائے۔ جیسے " فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا "

ع؎ متوافق معنی سے مراد یہ ہے کہ وہ متقابل نہوں یعنی باہم تقابل نہ رکھتے ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ باہم متناسب اور متماثل ہوں۔ منہ ۱۲۔

"پس چاہیے کہ وہ لوگ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔"

یہاں "فلیضحکوا" اور "قلیلا" متوافق لفظ ہیں اس کے بعد اس ترتیب سے پہلے "فلیضحکوا" کا مقابل "ولیبکوا" ہے اور "قلیلا" کا مقابل "کثیرا" ہے اردو میں جیسے ؎

رات بھر جاگے تھے دن کو سو گئے مر گئے ہم وہ روانہ ہو گئے

یہاں "رات" کے مقابل "دن" اور "جاگنے" کے مقابل "سونا" ہے۔

مراعاۃ النظیر: (اس کو صنعتِ تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں) یہ ہے کہ ایسے دو یا زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کریں جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہو (کیونکہ اس وقت صنعت طباق ہو جائے گی) جیسے:

"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ" "سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں"۔

اس میں "شمس" اور "قمر" کے درمیان مناسبت ہے۔ اردو میں جیسے ؎

ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا چمن کے تخت پر جس دن شہِ گل کا تجمل تھا
بتلا باغباں رو رو کے یاں غنچہ یہاں گل تھا خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں

اس میں "چمن" کے مناسب بہت سے الفاظ لائے. مثلاً شہِ گل، بلبل، غنچہ، گل، باغبان وغیرہ۔

تشابہ الاطراف: یہ ہے کہ ختم کلام میں ایسا لفظ لائیں جو معنی کے لحاظ سے ابتدائے کلام کے مناسب ہو۔ جیسے "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" "نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے"۔

آیت کریمہ میں "لا تدرکہ الابصار" ابتدائے کلام کے مناسب

ختمِ کلام میں "لطیف" ہے اور "وھو یدرک الابصار" کے مناسب "خبیر" ہے
اردو میں جیسے ؎

وہ درگزر کرے گا شفاعت کریں گے وہ　　اللہ سے ہے کام پیمبر سے ہے غرض

یہاں "درگزر کرنے" کے مناسب "اللہ سے ہے کام" ہے اور "شفاعت کرنے" کے مناسب "پیمبر سے ہے غرض" ہے۔

ارصاد: (اس کو تسہیم بھی کہتے ہیں) یہ ہے کہ فقرے اور شعر کے آخر لفظ سے پہلے ایسا لفظ لادیں جس سے معلوم ہو جائے کہ آخری لفظ فلاں ہو گا۔ بشرطیکہ حرف رَوی[1] معلوم ہو جیسے "وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ" "اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں"۔
چونکہ حرف روی "نون" اوپر سے چلا آرہا ہے اس لئے "یظلمون" آنے سے پہلے ہی آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہاں یہی ہے اور اگر پہلے سے نہ معلوم ہوتا تو شبہ ہو سکتا تھا کہ "یظلمون" کے بجائے "ظلموا" ہو۔ اردو میں جیسے ؎

نہیں قول سے فعل تیرے مطابق　　کہوں کس طرح تجھ کو اے یار صادق
نہ جنت کے قابل نہ دوزخ کے لائق　　مجھے کیوں کیا خلق اے میرے خالق
کہاں سن کے افسانۂ قیس و لیلیٰ　　عبث کرتے ہو حال میں ذکر سابق
گیا وہ زمانہ وہ لوگ اٹھ گئے سب　　نہ معشوق ویسے رہے اب نہ عاشق
عبث فوق دیتا ہے تو خود کو ناداں　　کیا ایک کو ایک پر اس نے فائق

پہلے شعر کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "قاف" حرف روی ہے۔ پس دوسرے شعر میں "خلق" کے لفظ سے "خالق" اور چوتھے شعر میں "معشوق" کے لفظ سے "عاشق"

---

[1] روی قافیہ کے آخری حرف کو کہتے ہیں جو بار بار آتا ہے۔ منہ۔ ۱۲۔

اور پانچویں میں "فوق" سے "فائق" خود بخود معلوم ہوگیا۔

مشاکلہ: یہ ہے کہ ایک معنی کو اس لفظ سے ذکر کریں جو دوسرے معنی کیلئے موضوع ہو اس مناسبت سے کہ دونوں ایک جگہ مذکور ہوئے ہیں۔ جیسے:۔
"انما نحن مستھزؤن اللہ یستھزء بھم" اس کے سوا نہیں کہ ہم استہزاء کرتے ہیں، اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے"۔

یہاں "یستھزء" کا استعمال "مستھزءون" کی مناسبت کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ استہزاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہو سکتی۔

اردو میں جیسے ؎

بدی کی بدی سہل ہووے جزا　　جو تو مرد ہے کر بُرے کا بھلا

بدکار سے بدی کا انتقام لینا بدی نہیں ہے۔ مثلاً چور کو چوری کی سزا دینا بُرا نہیں ہے مگر چونکہ دونوں ایک جگہ ذکر ہوئے ہیں اس لئے بدی کے انتقام کو بھی بدی ہی سے تعبیر کر دیا۔

مزاوجہ: یہ ہے کہ دو معانی شرط و جزا میں ایسے واقع ہوں کہ پہلے معنی پر جو امر مرتب ہو وہی دوسرے معنی پر مرتب ہو۔ جیسے ؎

اذا ما نھی الناھی فلج بی الھوی　　اصاخت الی الواشی فلج بھا الھجر

ترجمہ: جب منع کرنے والے نے مجھ کو محبت سے منع کیا تو میری محبت اور زیادہ ہوگئی اور محبوبہ نے چغلی کھانے والے کی بات کو غور سے سنا تو اس کی بات مان لی اور ہجر کی مدت اور بڑھا دیا۔

یعنی میں نے روکنے والے کا اثر نہ لیا اور محبوبہ نے چغلخور کا اثر لیا۔ یہ دو چیزیں مرتب ہوئیں دو چیزوں پر۔ پہلی چیز مرتب ہوئی "روکنے والے کے روکنے پر"،

اور دوسری چیز مرتب ہوئی "چغلخور کی بات سننے" پر۔ اردو میں جیسے ؎

آہ کیجے تو آن جاتی ہے
اور نہ کیجے تو جان جاتی ہے

یہاں "آہ کرنے" پر "آن کا جانا" اور "نہ کرنے" پر "جان کا جانا" مرتب ہوا۔

عکس : یہ ہے کہ کلام میں ایک جزو کو مقدم کیا جائے۔ پھر اس کو موخر کیا جائے۔ جیسے "عادات السادات سادات العادات" "سرداروں کی عادتیں عادتوں کی سردار ہیں"۔ اور جیسے "لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ" "نہ وہ عورتیں ان مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مرد ان عورتوں کیلئے حلال ہیں۔"

اردو میں جیسے ؎

نکالوں کسطرح سینے سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو

دوسرے مصرعہ میں "عکس" ہے۔

رجوع : یہ ہے کہ پہلے ایک کلام بولیں پھر اس کے بعد لوٹ کر کسی نکتہ کیوجہ سے اس کو باطل کر دیں۔ جیسے ؎

قف بالدیار التی لم یعفہا القِدَم
بلٰی وغیّرہا الارواح والدیم

ترجمہ : تم ان گھروں پر ٹھہرو جن کو قدامت کہنگی نے نہیں مٹایا۔ ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ انکو آندھی اور لگاتار بارش نے بدل دیا۔

پہلے گھروں کے بارے میں کہا کہ کہنگی نے نہیں مٹایا اور بعد میں اس سے رجوع کر کے کہا کہ بارش نے بدل دیا۔ اردو میں جیسے ؎

ماہ ہے تو پر کہاں ہے ماہ کی یہ چشم و زلف
سرو ہے تو پر کہاں اسمیں یہ رفتار و ادا

پہلے معشوق کو "ماہ" کہا پھر اس سے رجوع کیا کیونکہ اس کے معشوق کی سی "چشم و زلف" نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو "سرو" کہا پھر اس سے رجوع کر کے

اپنے کلام کو باطل کر دیا کیونکہ سرو میں یار کی سی "رفتار و ادا" نہیں ہے۔

توریہ : (اس کو ایہام بھی کہتے ہیں) یہ ہے کہ ایک ایسا لفظ بولیں جس کے دو معنی ہوں۔ ایک قریب کہ لفظ بولتے ہی ذہن میں وہ معنی آ جاتے، دوسرے بعید کہ جو فوراً ذہن میں نہ آئے۔ اور قریب معنی چھوڑ کر بعید معنی مراد لیے جائیں۔ جیسے راہِ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا "رجل یھدینی السبیل" ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ بتلاتے ہیں"۔

"ہدایت" کے معنی قریب راستہ بتلانے کے ہیں اور معنی بعید، راہ حق دکھانے کے۔ اور یہی آپ کا مقصود تھا۔ اردو میں جیسے ؎

بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

"سایہ" کے معنی قریب "دھوپ کی ضد" ہے اور معنی بعید "حمایت" ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔

استخدام : یہ ہے کہ کسی لفظ کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی تو اس لفظ سے مراد لیں اور دوسرے معنی اس کی ضمیر سے جو اس لفظ کی طرف راجع ہو جیسے "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" "سو جو کوئی پاوے تم میں سے اس مہینے کو تو ضرور روزے رکھے اس کے"۔

یہاں "شہر" سے مراد "ہلال رمضان" ہے اور اس کی ضمیر سے "ماہ رمضان"۔

اردو میں جیسے ؎

ملے مجھ سے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں
تمھیں ہو ماہ کامل میں تمھیں رہتے ہو ہالے میں

داغ سے مراد خود داغ شاعر ہیں اور ضمیر (تمھیں) سے مراد داغ بمعنی دھبہ۔

لف و نشر: لغت میں "لف" کے معنی "لپیٹنے" کے ہیں اور "نشر" کے معنی "پراگندہ کرنے اور پھیلانے" کے۔ اور اصطلاح میں یہ ہے کہ پہلے کئی چیزیں ذکر کریں یہ "لف" ہے پھر ان سب میں سے ہر ایک کے مناسبات اور متعلقات بلا تعیین بیان کریں۔ یہ "نشر" ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) لف و نشر مرتب: یہ ہے کہ جس ترتیب سے لف ہو اسی ترتیب سے نشر بھی ہو۔ جیسے "وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ" اور اللہ نے اپنی رحمت سے تمھارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم سکون و آرام حاصل کرو اور تاکہ تم اللہ کے فضل میں سے اپنی روزی تلاش کرو۔" اس میں پہلے "لیل و نہار" کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چونکہ پہلے "لیل" ہے اس لئے اس کے مناسب "لتسکنوا" پہلے ہے۔ اور "نہار" بعد میں ہے اسلئے اس کے مناسب "ولتبتغوا" بعد میں ہے۔ اردو میں جیسے ؎

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار　　گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

پہلے مصرعہ میں تین چیزیں مذکور ہیں پھر دوسرے مصرعہ میں اسی ترتیب سے ان کے مناسبات یعنی "رخسار" کے مناسب "گل" اور "قد" کے مناسب "سرو" اور "چشم" کے مناسب "نرگس" مذکور ہے۔

(۲) لف و نشر غیر مرتب: یہ ہے کہ "نشر" کی ترتیب "لف" کی ترتیب کے موافق نہ ہو۔ بلکہ بلا ترتیب ہو۔ جیسے ؎

کیف اَسلُو وانت حِقف و غصن　　وغزال لحظاً وقدّاً وَرِدفاً

ترجمہ: میں تجھے کس طرح بھولوں؟ حالانکہ تو ریت کا ٹیلہ ہے اور شاخ ہے

اور ہرن ہے، آنکھ اور قد و قامت اور سُرین کے لحاظ سے۔ یعنی تیری سُرین بڑی اور نرم ہے ریت کے ٹیلہ کے مانند، اور تیری قامت شاخ کے مانند ہے اور تیری آنکھیں ہرن کی آنکھوں کے مانند ہیں۔

اس میں "لف" میں "حقف" (تودۂ ریگ) پہلے ہے اور "ردفا" نشر میں آخر میں ہے۔ اردو میں جیسے ؎

رُخ و جبین و مژہ نیز چشم و ابرو کو ۔۔۔ سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال لکھا

اس میں پہلے مصرعہ میں پانچ چیزیں مذکور ہیں۔ پھر دوسرے مصرعہ میں "نشر" میں پہلے "سنان" کو ذکر کیا جو "مژہ" کے مناسب ہے۔ پھر "بدر و مہ" کو لائے جو "رُخ و جبین" کے مناسب ہے وغیرہ۔ اور یہ سب اس ترتیب پر نہیں ہے جس ترتیب پر پہلے مصرعہ میں ہے۔

جمع: یہ ہے کہ کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع کریں۔ جیسے "المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا" "مال اور بچے، دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں۔" اس میں "مال" اور "بنون" کو "زینت ہونے" کے حکم میں جمع کیا گیا۔

اردو میں جیسے ؎

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل ۔۔۔ جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

پہلے مصرعہ میں مذکور تینوں چیزوں کو پریشانی کے نکلنے کے حکم میں جمع کیا۔

جمع و تفریق: یہ ہے کہ کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع اور شریک کریں اس کے بعد وجہِ اشتراک میں فرق ظاہر کردیں۔ جیسے ؎

فوجھک کالنار فی ضوئھا ۔۔۔ وقلبی کالنار فی حرّھا

ترجمہ: تیرا چہرہ آگ کی مانند ہے اس کی روشنی میں، اور میرا دل آگ کی

مانند ہے اس کی گرمی میں۔

"وجہ" (چہرہ) اور "قلب" (دل) کو جمع کیا ہے آگ کے مانند ہونے میں اور دونوں میں فرق ظاہر کیا کہ چہرہ روشنی میں آگ کی مانند ہے اور قلب گرمی میں۔

اردو میں جیسے ؎

دل و مسجد ہیں دونوں گھر خدا کے فرق پر یہ ہے   وہ تعمیر اس کے ہاتھوں کی یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

"دل" اور "مسجد" کو خدا کے گھر ہونے کے حکم میں جمع کیا۔ پھر دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا کہ دل خدا کا بنایا ہوا ہے اور مسجد اپنی بنائی ہوئی۔

تقسیم: یہ ہے کہ پہلے چند چیزیں ذکر کریں پھر ہر ایک کے مناسب امر کا ذکر کریں اور جو مناسب امر جس کے لئے ہو اسکو متعین بھی کر دیں۔ جیسے ؎

ولا یقیم علی ضیم یراد بہ   لا الاذلان عیر الحی والوتد

ھذا علی الخسف مربوط برمتہ   وذا یشج فلا یرثی لہ احد

ترجمہ: کوئی بھی اس ظلم اور بدخُلقی کو برداشت نہیں کرسکتا، مگر دو ایسے ذلیل ترین فرد ہیں جو اس کو گوارا کرلیں گے۔ ایک تو خاندان کا گدھا دوسرے کھونٹا۔ دیکھو! یہ گدھا ذلت وخواری کے ساتھ اپنی رسی میں بندھا ہوا ہے اور وہ کھونٹا جو ٹھونکا جاتا ہے لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں ہے جو اس کے حال پر رحم کھائے۔

ان شعروں میں شاعر نے پہلے "عیر" (گدھا) اور "وتد" (کھونٹا) کو بیان کیا پھر "عیر" کے مناسب "ذلت کے ساتھ باندھنے" اور "وتد" کے مناسب "ٹھونکنے" کو دونوں کی تعیین کے ساتھ ذکر کیا۔ اردو میں جیسے ؎

تیرا ہنسنا میرے رونے کے برابر ہوگیا   اس نے مارا خلق کو اس نے ڈبویا اک جہاں

پہلے معشوق کا ہنسنا اور اپنا رونا بیان کیا اس کے بعد اس کے ہنسنے کی طرف

"غلق کے مارنے" کو اور "اپنے رونے" کی طرف "اک جہاں کے ڈبونے" کو منسوب کیا۔

جمع و تقسیم: یہ ہے کہ چند چیزوں کو ایک حکم میں جمع کریں پھر ان کی تقسیم کردیں۔ جیسے ؎

حتی اقام علی ارباض خرشنۃ — تشقی بہ الروم والصلبان والبیَع
للسبی ما نکحوا والقتل ما ولدوا — والنہب ما جمعوا والنار ما زرعوا

ترجمہ: یہاں تک کہ ممدوح مقام خرشنہ کے اطراف میں ٹھہرا جس سے روم والے صلیبیں اور گرجے بدنصیب (مصیبت زدہ) ہو رہے ہیں۔ روم والوں کی عورتیں لونڈی بنائے جانے کے لئے ہیں اور ان کے لڑکے قتل کے لئے ہیں اور ان کا مال لوٹنے کے لئے ہے اور ان کی کھیتیاں آگ کیلئے ہیں۔

پہلے روم کا بدنصیب ہونا بیان کیا اس میں اہل روم کی عورتیں، لڑکے وغیرہ سب داخل ہیں۔ یہ جمع ہے، اس کے بعد تقسیم کی کہ ان کی عورتیں لونڈی بنائی جائیں گی اور لڑکے قتل کئے جائیں گے۔ وغیرہ۔ اردو میں جیسے ؎

اسیر اے دوست تیرے عاشق و معشوق دونوں ہیں
اُسے عشق آہنی زنجیر کا اِس کو طلائی کا

عاشق و معشوق کو اسیر ہونے میں جمع کیا اس کے بعد تقسیم کی کہ عاشق آہنی زنجیر کا اسیر ہے اور معشوق زنجیر طلائی کا۔

تجرید: یہ ہے کہ ایک شے ذی صفت سے ایک اور شے ذی صفت اسی طرح کی نکالی جائے بقصد مبالغہ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پہلی شے اس صفت میں ایسی کامل ہے کہ اس سے ایک اور شے اسی طرح کی نکل سکتی ہے جیسے "لی من فلان صدیق حمیم" "میرے لئے فلاں آدمی سے ایک گہرا دوست ہے"

یہاں دوستی میں مبالغہ منظور ہے۔ یعنی وہ دوستی میں اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے ایک اور دوست کا نکال لینا صحیح ہے۔ اردو میں جیسے ؎

چہرۂ انور سے تیرے ماہ کامل آشکار   اور گیسوئے معنبر سے شب یلدا عیاں

چہرہ کے نور اور زلف کی سیاہی میں مبالغہ مدّنظر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چہرہ نورانیت میں اور زلف سیاہی میں ایسے کامل ہیں کہ چہرہ سے "ماہ کامل" اور زلف سے "شب تاریک" حاصل ہو سکتی ہے۔

مبالغہ : یہ ہے کہ کسی وصف (بُرائی یا بھلائی) کے بارے میں یہ دعوے کیا جائے کہ وہ زیادتی یا کمی اور سختی یا نرمی میں اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ جو محال یا بعید از عقل ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) **تبلیغ** : وہ یہ ہے کہ دعویٰ عقلاً اور عادۃً ممکن ہو۔ جیسے ؎

اذا ما سابقتها الریح فرّت   والقت فی ید الرّیح الترابا

ترجمہ : وہ گھوڑا اس قدر تیز دوڑنے والا ہے کہ جب اس سے آگے بڑھنے میں ہوا مقابلہ کرتی ہے تو وہ ہوا کو باوجود اس کے تیز ہونے کے پیچھے چھوڑ کر آگے بھاگ جاتا ہے اور ہوا کے ہاتھ میں گرد و غبار ڈال جاتا ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ گھوڑا تیز رفتاری میں ہوا سے بھی بڑھا ہوا ہے عقلاً و عادۃً ممکن ہے۔ گو گھوڑوں میں ایسا وصف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

پہنچے ہم آرزوئے وصل میں نزدیک بمرگ   متوقع ہے شکل ملاقات بہت دور ہمیں

معشوق کے وصل کی آرزو میں قریب بمرگ ہو جانا عقلاً و عادۃً ممکن ہے۔

(۲) **اغراق** : یہ ہے کہ دعویٰ عقلاً تو ممکن ہو لیکن عادۃً محال ہو۔ جیسے ؎

ونکرم جارنا ما دام فینا   ونتبعه الکرامة حیث مالا

ترجمہ: ہم لوگ اپنے پڑوسی کی اس وقت تک عزت کرتے ہیں جب تک کہ وہ ہمارے درمیان رہے۔ اس کے علاوہ ہم عزت کو اس کے پیچھے لگا دیتے ہیں جب وہ کسی دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔

یہ بات اگرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن عادۃً ممکن نہیں کیونکہ عموماً انسان خود غرضی اور بیمروتی جیسی بداخلاقیوں سے گھرا رہتا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

گرگ نے دورِ عدل میں اس کے   سیکھ لی راہ و رسمِ چوپانی

یہ عقلاً ممکن ہے کہ بھیڑیا بکری کو نہ پھاڑ کھائے بلکہ اس کی حفاظت کرے مگر عادۃً محال ہے۔

(۳) غلو: یہ ہے کہ دعویٰ عقلاً بھی محال ہو اور عادۃً بھی۔ جیسے ؎

تکاد قسیہ من غیر رام   تمکن فی قلوبھم النبالا

ترجمہ: ممدوح کی کمانیں اتنی عمدہ ہیں کہ قریب ہے کہ وہ تیر اندازی کے بغیر ہی ممدوح کے دشمنوں کے دلوں میں تیر چبھا دیں۔

یہ بات عقل اور عادت دونوں لحاظ سے محال ہے کہ تیر بغیر تیر انداز کے چبھ جائے۔ اردو میں جیسے ؎

چمکے جو تیغ قہر کسی روز جنگ میں   ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مارے بدن کے پاس

جسم کے سایہ کا جسم کے پاس نہ ٹھہرنا عقلاً بھی محال ہے اور عادۃً بھی۔
غلو کی بعض قسمیں مقبول ہیں۔

(۱) یہ کہ اس میں تخیل حسن ہو۔ یعنی اس میں نازک اور لطیف خیالات ہوں جیسے

یخیل لی ان سمر الشھب فی الدجی   وشدت باھدابی الیھن اجفانی

ترجمہ: مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ تاریکی میں ستاروں میں کیلیں ٹھونک دی گئی ہیں

اور میری پلکیں پلکوں کے بالوں سے باندھ دی گئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ بات نہ عقلاً ممکن ہے نہ عادۃً۔ لیکن چونکہ ایک خیال اور اچھی تخیل ہے، اس لئے مقبول ہے۔

(۲) یہ ہے کہ کلام ہزل اور مذاق کے طور پر ہو۔ جیسے ؎

واسکرُ بالامس ان عزمت علی الشرب غداً اِنَّ ذا من العجب

ترجمہ: اگر میں آئندہ کل شراب پینے کا ارادہ کروں تو گزشتہ کل ہی سے نشے سے مست ہو جاتا ہوں۔ بیشک یہ تعجب کی بات ہے۔

شاعر نے یہ بات بطور ہزل کے کہی ہے۔ اردو میں جیسے ؎

کم رَو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا لوہا بنا کے تیغ بنا لے کبھی لوہار
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ رُستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
گر باندھ کر سر منزل سے پھینک دیں اسے ٹھیکے بغیر تین نہ اُترے گا زینہار

ظاہر ہے کہ اسمیں غلو ہے لیکن چونکہ بطور ہزل اور مذاق کے ہے اس لئے مقبول ہے۔

(۳) یہ کہ کوئی ایسا لفظ ذکر کریں جو اس کو صحت و امکان کے قریب کر دے جیسے۔
"یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَار" "قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ۔"

یہاں لفظ "یکاد" (قریب ہے) نے بغیر آگ کے تیل کے روشن ہونے کو ممکن ہونے کے قریب کر دیا۔ اردو میں جیسے ؎

کیا عجب رحمتِ باری سے کہ وقت باراں ابر مردہ سے بھی ہو قطرہ فشاں آب زلال

"ابر مردہ" سے "آب زلال کا قطرہ ٹپکنا" عقلاً و عادۃً محال ہے مگر لفظ "کیا عجب" نے اس کو قرین صحت کر دیا۔

مذہبِ کلامی: یہ ہے کہ متکلمین کے طریقے پر مقصود کے لئے دلیل لائی جائے متکلم کے طریق پر دلیل پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دلیل کی صورت منطقی ہو۔ یعنی قیاس اقترانی یا استثنائی کے طور پر ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بالفعل قیاس کی صورت عبارت میں ہو۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس عبارت سے قیاس کی صورت پر مقدمات کا ترتیب دینا صحیح ہو۔ جیسے " لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا " اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو زمین وآسمان تباہ وبرباد ہو جاتے"۔

آیت کریمہ میں قیاس کی صورت یہ ہے کہ اگر آسمان وزمین میں متعدد خدا ہوتے تو دونوں فاسد ہو جاتے، لیکن فاسد نہیں ہیں پس متعدد خدا نہیں ہیں۔

اردو میں جیسے ؎

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکرِ روزی کا ۔۔۔ تو آب ودانہ کو لے کر گہر پیدا نہ ہو

اس میں قیاس کی صورت یہ ہے کہ اگر عدم سے فکرِ روزی کا ساتھ نہ ہو تو گوہر آب ودانہ لے کر عدم سے پیدا نہ ہو، لیکن گوہر آب ودانہ لیکر پیدا ہوتا ہے پس فکرِ روزی کا عدم سے ساتھ ہے۔

حسن تعلیل: یہ ہے کہ کسی وصف کے لئے مناسب علت کا دعوی کیا جائے کسی ایسے لطیف اعتبار سے جو حقیقی نہ ہو جیسے ؎

لم یحكِ نائلك السحابُ وانما ۔۔۔ حُمَّتْ بہٖ فصبیبھا الرُّحَضَاءُ

ترجمہ: اے ممدوح! بدلی نے تیری بخشش کی نقل نہیں اتاری بلکہ تیری بخشش دیکھ کر اس کو اتنا رنج وحسد ہوا کہ اسے بخار آگیا۔ پھر جب اسے پسینہ آیا تو وہی پسینہ بارش ہے۔

یہاں شاعر نے بارش ہونے کی علت ممدوح کے عطاء وبخشش کو دیکھ کر بدلی کے رنج وحسد اور بخار ہونے کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ بارش ہونے کی علت حقیقی یہ نہیں ہے۔

اردو میں جیسے ؎

ای باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے   کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخیٔ دوراں سے

دایہ بچہ کو افیون اس واسطے دیتی ہے تاکہ وہ آرام سے سوئے مگر شاعر نے اسکی علت یہ قرار دی کہ بچہ مصائب زمانہ کی تلخی سے لذت آشنا ہو جائے۔

تفریع : یہ ہے کہ کسی امر کے متعلق کے لئے ایک حکم ثابت کریں پھر وہی حکم دوسرے امر کے متعلق کے لئے ثابت کریں۔ جیسے ؎

احلامکم لسقام الجہل شافیۃ   کما دمائکم تشفی من الکلب

ترجمہ : تم لوگوں کی عقل جہالت کی بیماری کو شفا دینے والی ہے جس طرح تملوگوں کا خون کتے کے کاٹنے کی بیماری کو شفا دیتا ہے۔

پہلے "شفاء" "احلام" کے لئے ثابت کی گئی، پھر "دماء" کے لئے۔

تاکید المدح بمایشبہ الذم : یعنی تعریف کی تاکید ایسے الفاظ سے کرنا جو کہ ذم کے مشابہ ہوں۔ یعنی وہ الفاظ ظاہر میں تو مذمت معلوم ہوں لیکن حقیقت میں غایت درجہ کی مدح ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ ذم کی صفت کی کسی سے نفی کریں پھر اس صفت سے مدح کی صفت یہ فرض کر کے مستثنیٰ کریں کہ مدح کی صفت ذم کی صفت میں داخل ہے۔ جیسے ؎

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم   بہن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ : اور ان لوگوں میں اس چیز کے سوا اور کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی تلواروں میں دشمن کی فوجوں کو کاٹتے کاٹتے دندانے پڑ گئے ہیں۔

دیکھو! یہاں پر پہلے عیب کی نفی کی اس کے بعد لفظ "غیر" سے استثناء کیا، تو شبہ ہوا کہ اب کوئی عیب بیان کرے گا۔ لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی

گردنیں کاٹتے کاٹتے تلواروں میں دندانے پڑ جانا عیب نہیں ہے بلکہ غایت درجہ کی شجاعت ہے۔ اردو میں جیسے ؎

نہیں ہے مجھ میں بُرائی کچھ اور اس کے سوا　　کہ میں بُرا ہوں رقیبوں کے چشم بد بیں میں

اس میں بھی پہلے برائی کی نفی کی اس کے بعد لفظ " سوا " سے استثنا کیا تو شبہ ہوا کہ اب کوئی برائی بیان کرے گا مگر جب تأمل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے کیونکہ رقیب حسد کی وجہ سے اسے بُرا سمجھتے ہیں ورنہ درحقیقت وہ بُرا نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ کسی چیز کے لئے مدح کی صفت ثابت کی جائے پھر اس صفت کے بعد حرف استثنا لایا جائے اس کے بعد مدح کی دوسری صفت لائی جائے۔ جیسے:
حدیث پاک " انا افصح العرب بید انی من قریش " "میں عرب کے لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں سوائے اس کے خاندان قریش سے ہوں۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "افصح العرب" ہونا مدح کی ایک صفت ہے جس کے بعد حرف استثنا " بید " لاکر مدح کی دوسری صفت " خاندان قریش میں سے ہونا " بیان فرمایا۔ اردو میں جیسے ؎

ترا عدل سارے جہاں پر ہے لیکن　　رہے ہے ترا ظلم دائم ستم پر

"ظلم کا ہمیشہ رہنا" ہجو ہے لیکن " ستم پر ظلم کرنا " عین عدل ہے۔ اس میں مدح کی صفت " عدل " کے بعد حرف استثنا لاکر دوسری صفت مدح کی یعنی " ستم پر ظلم رہنے " کو ثابت کیا ہے۔

تاکید الذم بما یشبہ المدح: یعنی ہجو کی تاکید ایسے الفاظ سے کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں۔ یعنی وہ الفاظ ظاہر میں تو مدح معلوم ہوں لیکن حقیقت میں غایت درجہ کی ہجو ہو۔ اسکی دو قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ مدح کی صفت کی کسی چیز سے نفی کریں پھر اس صفت سے ذم کی صفت یہ فرض کرکے مستثنیٰ کریں کہ وہ مدح کی صفت میں داخل ہے۔ جیسے "فلان لاخیر فیہ الا انہ یسیئ الی من احسن الیہ" فلاں شخص میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اسکے کہ جو اس کے ساتھ احسان کرتا ہے اس کے ساتھ وہ بُرا سلوک کرتا ہے۔"

پہلے صفتِ مدح "خیر" کی نفی کی اس کے بعد لفظ "الا" سے استثنار کیا تو شبہ ہوا کہ اب کوئی تعریف کی بات بیان کرے گا مگر غور کیا تو معلوم ہوا کہ احسان کرنے والے کے ساتھ بُرا سلوک کرنا مدح نہیں بلکہ ذم ہے۔ اردو میں جیسے ؎

چرخ سفلہ پرور میں بو نہیں نکوئی کی ہاں مگر ستم وہ بھی صرف ہے ہنر پرور

اس کی تقریر بھی وہی ہے جو عربی مثال کی گزری۔

(۲) یہ ہے کہ کسی شے کے لئے ذم کی صفت ثابت کی جائے اس کے بعد کلمۂ استثناء لایا جائے اس کے بعد ذم کی دوسری صفت لائی جائے۔ جیسے "فلان فاسق الا انہ جاھل" فلاں شخص فاسق ہے مگر یہ کہ جاہل ہے۔

اس میں ذم کی صفت "فاسق ہونے" کے بعد حرف استثنار لاکر دوسری صفتِ ذم "جاہل ہونے" کو ثابت کیا۔ اردو میں جیسے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں ؎

علم کی کچھ نہیں قدر جہل کی ترقی ہے دہر ہے ستم گستر لیک سفلہ پرور بھی

اس کی بھی تقریر وہی ہے جو عربی مثال میں گزری۔

استتباع : یہ ہے کہ کسی شے کی مدح ایسے طریقے پر کریں کہ اس مدح میں سے ایک اور مدح حاصل ہوجائے۔ جیسے ؎

نہبت من الاعمار ما لو حویتہ لھنئت الدنیا بانک خالد

ترجمہ : جہاد کے سلسلہ میں تونے اس قدر عمروں کو لوٹا کہ اگر وہ عمریں تیری

زندگی میں شامل کرلی جائیں تو دنیا کو یہ خوشخبری دی جاتی کہ تو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

ممدوح کی تعریف کی کہ وہ بڑا امجاد اور بہادر ہے لیکن ایسے طریقے پر یہ تعریف کی کہ اس سے ایک دوسری تعریف بھی حاصل ہوگئی کہ وہ رعایا اور ملک کا انتظام بہت بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا زندہ رہنا دنیا کے لئے خوشخبری کا باعث ہے۔ اردو میں جیسے ؎

آتش قہر سے ہو جلوے جہاں خاک سیاہ ‌ ‌ ‌ موجزن گر نہ رہے مہر کا دریا تیری

اسمیں "قہر" کی تعریف ایسے طریقے پر کی کہ "مہر" کی بھی مدح حاصل ہوگئی۔

ادماج : یہ وہ کلام ہے جو ایک معنی کے لئے لایا گیا ہو لیکن دوسرے معنی کو بھی ضمناً شامل ہو گیا ہو۔ جیسے ؎

اقلب فیہ اجفانی کانی ‌ ‌ ‌ اعد بہا علی الدھر الذنوبا

ترجمہ : میں رات کو اپنی پلکیں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہوں یعنی آنکھیں کھولتا اور بند کرتا رہتا ہوں گویا ان پلکوں سے زمانے کے گناہوں کو شمار کرتا رہتا ہوں کہ اس نے میرے ساتھ کتنی بے انصافیاں کیں۔

اس میں شاعر نے پہلے تو درازیٔ شب کا ذکر کیا پھر اس کے ضمن میں زمانہ کی شکایت بھی کر دی۔ اردو میں جیسے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ‌ ‌ ‌ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

پہلے معشوق کے غفلت کی شکایت کی پھر اسکے ضمن میں جفا کی بھی شکایت کر دی۔

توجیہ : یہ ہے کہ کلام اس طرح ادا کریں کہ اس میں دو مختلف معنوں کا احتمال ہو۔ جیسے کسی شاعر نے ایک درزی کو جو یک چشم تھا، سینے کے لئے کپڑا دیا۔ اس درزی کا نام عمرو تھا۔ عمرو نے کہا میں ایسا کپڑا تیار کروں گا کہ معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ یہ کُرتہ ہے یا جبہ۔ شاعر نے کہا میں ایسا شعر کہوں گا کہ معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ یہ مدح ہے

یا ہجو، چنانچہ شاعر نے یہ شعر کہا ؎

قلت شعراً لیس یدری | امدیح ام ھجاءٗ
خاط لی عمرو قمیصا | لیت عینیہ سواءٗ

ترجمہ: میں نے ایسا شعر کہا کہ یہ نہیں معلوم کہ وہ مدح ہے یا ہجو، عمرو نے میرے لئے ایک کرتا سیا ہے کاش اس کی دونوں آنکھیں یکساں ہو جائیں۔

دیکھو! خراب آنکھ اگر اچھی ہو جائے تو یہ مدح ہے اور اگر اچھی آنکھ خراب ہو جائے تو یہ ہجو ہے۔ اردو میں جیسے ؎

کیا ہی تاثیر ہے واللہ تیری صحبت کو | یک بیک لحظہ میں ہو جاتا ہے احمق دانا

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تیری صحبت میں احمق آدمی دانا ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ مرد دانا احمق ہو جاتا ہے۔

اطراد: یہ ہے کہ کلام میں ممدوح اور اس کے باپ دادوں کے نام بغیر تکلف ولادت کی ترتیب سے لائے جائیں۔ جیسے ؎

ان یقتلوک فقد ثللت عروشھم | بعتیبۃ بن الحارث بن شھاب

ترجمہ: اگر وہ لوگ تم کو قتل کر دیں تو اس میں تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ تم نے ان کا تخت ڈھایا، شہاب کے بیٹے حارث کے بیٹے عتیبہ کو قتل کر کے۔

اردو میں جیسے ؎

یہ رتبہ مظلوم حسین بن علی ہے | مدّاح کا مدّاح خدائے ازلی ہے

قول بالموجب: یہ ہے کہ متکلم مقدمات کو تسلیم کرے اور نتیجہ میں اختلاف کرے یعنی کلام کے معنی متکلم کی مراد کے خلاف لینا۔ جیسے ؎

وقالوا قد صفت منا قلوب | لقد صدقوا ولکن عن ودادی

ترجمہ: میرے ساتھیوں نے کہا کہ ہمارے دل خالی ہیں۔ بخدا انھوں نے سچ کہا لیکن ان کے دل میری محبت سے خالی ہیں۔

متکلم کی مراد یہ تھی کہ ہمارے دل کدورت سے خالی ہیں لیکن شاعر نے اس کے خلاف معنی لیا۔ اردو میں جیسے ؎

لوگ مرنے کو بھی کہتے ہیں وصال — یہ اگر سچ ہے تو مر جاتے ہیں ہم

لوگوں کی مراد "وصال" سے "مرنا" ہے اور کہنے والے کی مراد "وصل محبوب" ہے۔

تجاھل عارف: یہ ہے کہ کسی نکتہ کی بنا پر شے معلوم کو غیر معلوم ظاہر کریں یعنی جانتے ہوئے انجان بن جائیں۔ جیسے ؎

باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا — الیلای منکن ام لیلیٰ من البشر

ترجمہ: خدا کی قسم اے چٹیل میدان کی ہرنیو! تم مجھے بتاؤ کہ میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں میں سے ہے؟

حالانکہ شاعر جانتا ہے کہ لیلیٰ انسانوں میں سے ہے اس کے باوجود محبت کی وارفتگی میں یہ پوچھ رہا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

صنم کہتے ہیں تیرے بھی کمر ہے — کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے

جانتا ہے کہ کمر ہے لیکن اس کی باریکی میں مبالغہ کرنے کے لئے یہ سوال کر رہا ہے۔

الھزل المراد بہ الجد: یہ ہے کہ کلام بطور ہنسی مذاق کے ہو مگر مراد اس سے ہنسی اور تمسخر نہ ہو بلکہ سچ مچ کہنا مقصود ہو (ہزل کے معنی تمسخر اور ہنسی کے ہیں اور "جد" بکسر الجیم کے معنی سنجیدگی ضد تمسخر کے) جیسے ؎

اذا ما تمیمی اتاک مفاخراً — فقل عد عن ذا کیف اکلک للضب

ترجمہ: جب بنو تمیم کا کوئی آدمی تمہارے پاس فخر کرتا ہوا آوے تو اس سے کہو کہ

سہنے دو یہ فخر! پہلے یہ بتاؤ کہ تم لوگ گوہ کس طرح کھاتے ہو؟
یہ بظاہر مذاق ہے لیکن حقیقت میں سچ مچ یہ سوال ہے کیونکہ بنوتمیم گوہ جانور کھایا کرتے تھے۔ اردو میں جیسے ؂

کچھ اس کا اعتبار نہیں بے وفا ہے یہ　　نازاں نہ ہو جیوزن دنیا کی چاہ پر

بظاہر یہ مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک نصیحت ہے۔

سوالات

(۱) علم بدیع کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت بتائیے۔
(۲) محسّنات معنویہ اور محسّنات لفظیہ کی تعریف کیجئے۔
(۳) سارے محسنات معنویہ کے نام بغیر تعریف کے بتائیے۔
(۴) صنعت طباق کی تعریف، اس کی قسمیں اور ان کی تعریف مع امثلہ بیان کیجئے۔
(۵) بتائیے " فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا " کس کی مثال ہے اور کس طرح؟
(۶) بتائیے " انما نحن مستهزءون، الله یستهزء بهم " کس کی مثال ہے اور کیوں؟
(۷) ؂ نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو
بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟ اور کتاب میں اسکی عربی مثال کیا ہے؟

(۸) توریہ کی تعریف کیجئے اور مثال دیکر واضح کیجئے۔

(۹) بتائیے، صنعت استخدام کسے کہتے ہیں اور "فمن شہد منکم الشھر" میں یہ صنعت کس طرح پائی جارہی ہے؟

(۱۰) لف ونشر کی تعریف، اس کے اقسام، ان کی تعریف مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۱۱) بتائیے، "المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا" میں کون سی صنعت ہے اور کس طرح؟

(۱۲) تجرید کی تعریف مع مثال بیان کیجئے۔

(۱۳) حسن تعلیل کی تعریف کرکے اس کی مثال بتائیے۔

(۱۴) ؎ کیا ہی تاثیر ہے واللہ تری صحبت کو یک بیک لحظہ میں ہوجاتا ہے احمق دانا
بتائیے یہ کس کی مثال ہے اور کس طرح؟ اور اسکی عربی میں کیا مثال ہے؟

(۱۵) تجاہل عارف کی تعریف مع مثال کیجئے۔

محسنات لفظیہ

جناس : (اس کو تجنیس بھی کہتے ہیں) یہ ہے کہ دو لفظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مختلف ہوں۔ جناس کی کئی قسمیں ہیں جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :-

(۱) **متماثل** : یہ ہے کہ دو لفظ حروف کی ترتیب اور تعداد اور ہیئت (حرکت، سکون، نقطہ) میں موافق ہوں اور ایک ہی نوع کے ہوں (نوع سے مراد اسم، فعل، حرف ہے) یعنی دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف ہوں۔ جیسے "یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ" اور جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے گنہگار کہ ہم دنیا میں نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ"

اس میں لفظ "ساعۃ" پہلی جگہ "قیامت" کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ "تھوڑی دیر" کے معنی میں۔ اور دونوں کے حروف کی ترتیب، تعداد اور ہیئت میں موافق ہیں اور ایک ہی نوع کے ہیں یعنی دونوں اسم ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

سوا ہے کل سے بھی کچھ درد، کل نہیں اب ہے　　خدا ہی خیر کرے آج رنگ بے ڈھب ہے

اس میں پہلا "کل" بمعنی "کل گزرا ہوا دن" اور دوسرا "کل" بمعنی "آرام" ہے۔

(۲) **مستوفی** : یہ ہے کہ دونوں لفظ دو نوع کے ہوں یعنی مثلاً ایک اسم ہو تو دوسرا فعل ہو۔ جیسے ؎

ما مات من کرم الزمان فانہ　　یحیی لدی یحیی بن عبد اللہ

ترجمہ : زمانے کے کرم میں سے جو کچھ مر گیا وہ یحیی بن عبداللہ کے پاس زندہ ہوگا۔

اس میں لفظ "یحیی" دو جگہ ہے۔ پہلی جگہ فعل ہے اور دوسری جگہ اسم۔

اردو میں جیسے ؎

چمن میں کس نے اٹھی نگاہ ڈالی آج　　جو کھکھلاتی ہے گل کی ہر ایک ڈالی آج

اس میں لفظ "ڈالی" دو جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ فعل ہے اور دوسری جگہ اسم۔

(۳) ترکیب: یہ ہے کہ دو متشابہ لفظوں میں سے ایک لفظ دو کلموں سے مرکب ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ مرکب متشابہ: یہ ہے کہ ایک لفظ مرکب ہو اور ایک مفرد۔ اور دونوں لکھنے میں یکساں ہوں۔ جیسے ؎

اذا ملکٌ لم یکن ذاهبۃٍ فدعه فدولته ذاهبۃٌ

ترجمہ: جب کوئی بادشاہ داد و دہش والا نہ ہو تو اسے چھوڑ دو کیونکہ اسکی بادشاہت جلنے والی ہے۔

اس میں پہلا لفظ "ذا" بمعنی "والا" اور "ھبۃ" بمعنی "داد و دہش" سے مرکب ہے اور دوسرا لفظ صیغۂ اسم فاعل مؤنث ہے۔ اور مفرد ہے۔ اردو میں جیسے ؎

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم پہ مرہم حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں گئے مر ہم

اس میں پہلا "مرہم" مفرد ہے اور دوسرا لفظ "گئے مر" اور "ہم" سے مرکب ہے۔

۲۔ مرکب مفروق: یہ ہے کہ ایک لفظ مرکب ہو اور ایک مفرد، لیکن لکھنے میں دونوں یکساں نہ ہوں۔ جیسے ؎

کلکم قد اخذ الجام ولا جام لنا

ما الذی ضر مدیر الجام لو جاملنا

ترجمہ: تم میں ہر شخص نے جام شراب لے لیا ہے اور ہم ہیں کہ ہمارے لئے ایک جام بھی نہ رہا، کون سی چیز ایسی تھی کہ جو ساقی کو نقصان میں ڈال دیتی اگر وہ ہمارے ساتھ لطف و مہر سے پیش آتا۔

اس میں "جام لنا" اور "جاملنا" دونوں میں سے ہر ایک کے لکھنے کا طریقہ

جدا ہے۔ اردو میں جیسے ؎

جستجو کرنی ہر اک امر میں نادانی ہے
جو کہ پیشانی پہ لکھا پیش آنی ہے

اس میں "پیشانی" اور "پیش آنی" دونوں میں سے ہر ایک کے لکھنے کا طریقہ الگ ہے۔

(۴) **محرّف** : یہ ہے کہ دونوں لفظ نوع، عدد، ترتیب میں تو متفق ہوں لیکن ہیئت یعنی حرکت و سکون میں مختلف ہوں۔ جیسے "جُبَّۃُ البُردِ جُنَّۃُ البَرْدِ" "یمنی دھاری دار کپڑے کا جُبّہ سردی کی ڈھال ہے۔"

اس میں پہلے "برد" میں با کو ضمّہ ہے اور دوسرے میں فتحہ ہے۔

اردو میں جیسے ؎

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا

اس میں پہلا "گلے" گاف کے فتحہ کے ساتھ اور دوسرا اسکے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(۵) **مصحّف** : یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں صرف نقطہ کا فرق ہو۔ جیسے: "جُبَّۃُ البُردِ جُنَّۃُ البَرد"، یہاں "جبّۃ" اور "جنّۃ" میں صرف نقطہ کا فرق ہے کہ پہلے میں نقطہ نیچے ہے تو "جبہ" ہو گیا اور دوسرے میں اوپر ہے تو "جنہ" ہو گیا۔ اردو میں جیسے لفظ "ترنج" اور "برنج" اس شعر میں ؎

ترنج اسلئے ہے تُرش اس میں بھی ہے رنج
برنج خور بھی ہوتے ہیں مبتلائے رنج

(۶) **تجنیس ناقص و زائد** : یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں سے ایک میں کوئی حرف زائد ہو اور دوسرے میں کم۔ زائد والے حرف کے اعتبار سے اس کو "تجنیس زائد" اور کم والے حرف کے اعتبار سے "تجنیس ناقص" کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ مطرّف : یہ ہے کہ شروع میں حرف زیادہ ہو۔ جیسے "وَالتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ" "اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی، تیرے

رب کی طرف ہے اس دن کھینچ کر چلا جانا۔"

اس میں "مساق" میں "ساق" سے ایک حرف "میم" شروع میں زائد ہے

اردو میں جیسے ؎

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو مہرباں! بات ہے نبات نہیں

یہاں "نبات" میں "بات" سے ایک حرف یعنی "نون" شروع میں زیادہ ہے۔

۲۔ مکتنف: یہ ہے کہ لفظ کے بیچ میں حرف زیادہ ہو۔ جیسے "جدی جہدی" "کوشش کرنا میری طاقت ہے" اس میں "جہد" میں "جد" سے ایک حرف یعنی "ہ" بیچ میں زیادہ ہے۔ اردو میں جیسے ؎

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر کس بھروسے پہ آشنائی کی،

یہاں "زور" میں "زر" سے ایک حرف یعنی "واو" بیچ میں زائد ہے۔

۳۔ مذیّل: یہ ہے کہ آخر میں حرف زیادہ ہو۔ جیسے "دمعی ھامٍ ھاملٌ" میرے آنسو جاری ہیں اور لگاتار بہہ رہے ہیں۔

یہاں "ھامل" میں "ھامٍ" سے ایک حرف یعنی "لام" اخیر میں زائد ہے

اردو میں جیسے ؎

میکدہ تک محتسب کو میکشو آنے تو دو دیکھ کر پیمانے کو پیماں شکن ہو جائیگا

یہاں "پیمانے" میں "پیمان" سے ایک حرف یعنی "یائے مجہول" زیادہ ہے۔

(۷) مضارع: وہ جناس ہے جسمیں دونوں الفاظ کے حروف مختلف ہوں لیکن وہ دونوں مختلف حروف قریب المخرج ہوں۔ جیسے "بینی وبین کِنّی لیل دامسٌ وطریقٌ طامسٌ"، "میرے اور میری منزل کے درمیان اندھیری رات اور مٹا ہوا راستہ ہے۔"

یہاں "دامس" اور "طامس" میں "دال" اور "طا" دو مختلف جنس کے حروف ہیں اور قریب المخرج ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

ہو گئی پرسوں کی برسوں تم نہ آئے کیا سبب   آپ نے اچھا کیا وعدہ وفا اچھے تو ہو

اس میں "پرسوں" اور "برسوں" میں "پا" اور "با" مختلف جنس کے اور قریب المخرج حروف ہیں۔

(۸) **لاحق**: وہ ہے جس میں دونوں لفظوں کے حروف مختلف ہوں اور دونوں مختلف حروف قریب المخارج نہوں بلکہ بعید المخرج ہوں۔ جیسے "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ" "خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی"۔

یہاں "همزة" میں "ھ" اور "لمزة" میں "لام" دو مختلف جنس کے اور بعید المخرج حروف ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا   نام نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا

اس میں "ظفر" اور "سفر" میں "ظا" اور "سین" دو مختلف اور بعید المخرج حروف ہیں۔

(۹) **مقلوب**: یہ ہے کہ دونوں لفظ حروف کی ترتیب میں مختلف ہوں جیسے "اَللّٰهُمَّ استُرْ عوراتنا و آمِنْ روعاتنا" اے اللہ! ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔"

یہاں "عورات" اور "روعات" دونوں لفظ کے حروف ایک ہیں لیکن حروف کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ اول میں "عین" پہلے ہے اور دوسرے میں "را" پہلے ہے۔ اردو میں جیسے ؎

اُٹھ گیا پاس اب قرابت کا   رشتہ پیدا ہوا رقابت کا

یہاں "قرابت" اور "رقابت" کے حروف ایک ہیں لیکن حروف کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

(۱۰) **مجنّح** : یہ ہے کہ دو مقلوب لفظوں میں سے ایک لفظ بیت کے اول میں اور دوسرا بیت کے آخر میں ہو۔ جیسے ؎

لاح انوار الندیٰ من کفہ فی کل حال

ترجمہ: بخشش کے انوار اس کی ہتھیلیوں سے ہر حال میں ظاہر ہوتے۔

اس میں بیت کے اول میں لفظ "لاح" ہے اور آخر میں "حال" ہے۔ اور دونوں لفظ مقلوب ہیں کیونکہ دونوں کے حروف ایک ہی ہیں اور ترتیب بدلی ہوئی ہے اردو میں جیسے ؎

رام ہوتا نہیں فسوں سے بھی ہے وہ کافر تمہاری زلف کا مار

اس میں بیت کے اول میں "رام" اور آخر میں "مار" دونوں لفظ مقلوب ہیں۔

(۱۱) **مطلق** : یہ ہے کہ دو لفظ بعض حروف میں مشابہت رکھتے ہوں جیسے "قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ" "فرمایا میں تمہارے خلاف فطرت کام سے بیزار رہنے والوں میں سے ہوں"۔ آیت کریمہ میں "قال" اور "قالین" بعض حروف میں مشابہ ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

رستے کو راستی کے نہ زنہار چھوڑنا ہوتا ہے راستی ہی سے انسان رُستگار

اس میں "رستے" اور "راستی" بعض حروف میں مشابہ ہیں۔

(۱۲) **اشتقاق** : یہ ہے کہ دونوں لفظوں کا مادہ اور اصل ایک ہو۔ جیسے "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ" "تو اپنا چہرہ سیدھا رکھ صحیح دین کیلئے"۔ اس میں "اَقِمْ" اور "قیّم" دونوں کا مادہ ایک ہے یعنی "قوم" اور "قیام" سے دونوں مشتق ہیں۔ اردو میں جیسے : ؎

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسبِ کمال　　بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل نہ ہوا

اس میں "بے کمالی" اور "کامل" دونوں ایک ہی مادہ "کمال" سے مشتق ہیں۔

(۱۳) **ازدواج** : یہ ہے کہ دو متجانس الفاظ ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ جیسے " وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاءٍ بِنَبَاءٍ يَقِيْنٍ " (ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا) اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔"

یہاں "سبا" اور "نبا" دو متجانس لفظ ہیں کیونکہ دونوں میں تجنیس لاحق ہے اور ایک دوسرے سے متصل واقع ہوئے ہیں۔ اردو میں جیسے ؎

کبھی ہمت تھی مری قاعدۂ صرف میں صرف　　کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت

پہلے مصرعہ میں "صرف" دو بار آیا اور دونوں متصل ہیں اور دوسرے مصرعہ میں "نحو دو بار آیا ہے اور دونوں متصل ہیں۔ اور دونوں "صرف" اسی طرح دونوں "نحو" باہم متجانس ہیں کیونکہ ان میں تجنیس متماثل ہے۔

ردالعجز علی الصدر : یہ ہے کہ جو لفظ کلام کے ابتدا میں ہو وہی لفظ یا اس کا مرادف یا اس کا ہمجنس کلام کے آخر میں لائیں۔ جیسے " وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ " "اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تم اس سے ڈرتے رہو۔"

اسمیں کلام کے ابتدا اور آخر دونوں جگہ کلمہ "تخشیٰ" ہے۔ اردو میں جیسے ؎

آدمی کا مارنا اچھا نہیں　　مظہرِ ذاتِ خدا ہے آدمی

اس میں کلام کے اول و آخر دونوں جگہ لفظ "آدمی" ہے۔

سجع : یہ ہے کہ دو فقرے آخری حرف میں موافق ہوں۔ یعنی پہلے فقرہ کا آخری حرف جو ہو وہی دوسرے فقرہ کا بھی آخری حرف ہو۔ اسکی تین قسمیں ہیں،

(۱) مطرّف : یہ ہے کہ دونوں فقرے کے کلمے وزن میں مختلف ہوں. جیسے "مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا، وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا " "کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔" یہاں "وقارًا" اور "اطوارًا" دونوں کے آخری حرف یعنی "رائے منقوّ" ایک ہیں. لیکن وزن دونوں کا ایک نہیں ہے۔

اردو میں جیسے "بخیل وہ ہے جو آپ کھائے نہ اوروں کو کھلائے"۔ یہاں "کھائے" اور "کھلائے" دونوں کا آخری حرف ایک ہے یعنی "یائے مجہول" اور وزن دونوں کا مختلف ہے۔

(۲) ترصیع : یہ ہے کہ دو فقروں کے کل یا اکثر الفاظ وزن اور قافیہ میں برابر ہوں۔ جیسے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ"
اس میں ایک فقرہ یا قرینہ "ان الابرار لفی نعیم" ہے اور دوسرا "اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" دونوں فقروں میں "ابرار" اور "فجار" ہموزن اور ہم قافیہ ہیں۔ اسی طرح "نعیم" اور "جحیم" ہموزن اور ہم قافیہ ہیں۔
اردو میں جیسے "سیرت کی بھلائی بیان سے باہر ہے اور صورت کی صفائی گمان سے بڑھ کر ہے۔"

(۳) متوازی : یہ ہے کہ دو فقروں کے کل یا اکثر الفاظ ہموزن اور ہم قافیہ نہوں۔ جیسے "فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ"، "اس میں (جنت میں) تخت ہیں اونچے اونچے اور آبخورے سامنے چُنے ہوتے۔"
اس میں دونوں فقروں کے سب یا اکثر الفاظ مساوی نہیں ہیں۔
اردو میں جیسے "جس کوچہ و بازار میں جاتا ہوں وہاں اسباب عیش مہیا پاتا ہوں،

اس میں دونوں فقروں کے الفاظ ہموزن نہیں ہیں۔

تشریع : یہ ہے کہ شعر کی بنیاد دو قافیوں پر ہو اس طرح کہ جس قافیہ پر بھی ٹھہریں شعر کا مطلب صحیح رہے۔ جیسے ؎

یاخاطب الدنیا الدنیۃ انہا   شرک الردی وقرارۃ الاکدار

دار متیٰ اضحکت فی یومہا   أبکت غدا ابعد الہامن دار

ترجمہ : اے دنیائے دنی کے طالب! یاد رکھو دنیا ہلاکت وتباہی کا جال اور کیچڑ اور گندگیوں کی جگہ ہے۔ وہ ایک ایسا گھر ہے کہ اگر آج کسی کو ہنساتا ہے تو کل اسی کو رُلا کر چھوڑتا ہے۔ خدا اُسے دور رکھے اور برباد کرے۔

اس کو اس طرح بھی پڑھ سکتے ہیں ؎

یاخاطب الدنیا الدنیۃ   انہا شرک الردی

دار متیٰ اضحکت   فی یومہا ابکت غدا

اور اس طرح پڑھنے میں بھی معنی شعر کی صحت میں کوئی فرق نہ پڑیگا۔ اردو میں جیسے ؎

اے حسرتِ وصلِ یار بس کر بس کر   وے صدمۂ انتظار بس کر بس کر

اتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہو جائے   بس اے دلِ بیقرار بس کر بس کر

اس کو اس طرح بھی پڑھ سکتے ہیں ؎

اے حسرت وصل یار بس کر   وے صدمۂ انتظار بس کر

اتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہو   بس اے دل بیقرار بس کر

لزوم ما لا یلزم : یہ ہے کہ شعر میں حرف ردی کے پہلے اور نثر میں اس حرف کے پہلے جو ردی کے قائم مقام ہے ایسا حرف لائیں جس کا لانا سجع میں ضروری نہو۔ جیسے ؎ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" تو جو تیم ہو

اس کو مت دبا اور جو مانگتا ہو اسکو مت جھڑک ۔"

آیت کریمہ میں ردی کے قائم مقام "حرف رآر" ہے اس سے پہلے "ہ" کالانا دوسری آیت میں ضروری نہیں تھا ۔ اردو میں جیسے ؎

تمہے عارض سے ہیں شرمندہ اے شیریں ذقن پانچوں　　گل و آئینہ و خورشید و ماہ و نسترن پانچوں
نرکھ فائق قدم کو تے محبت میں کہ رہزن ہیں　　لبِ دندان و خال و خط و زلفِ پُرشکن پانچوں

اس میں حرف ردی "ن" ہے اسکے پہلے "واو" لانا ضروری نہیں ہے لیکن ہر روی کے پہلے واو ہے اسلئے یہ "لزوم مالا یلزم" ہے ۔

قلب : یہ ہے کہ حرفوں کے اُلٹ دینے سے پھر وہی عبارت بن جائے جو پہلے تھی جیسے "وربك فكبر" "اور اپنے رب کی بڑائی کیا کر" اس کے حرفوں کو اُلٹ دو تب بھی یہی عبارت بنے گی ۔ اسی طرح "کلٌ فی فلك" "سب آسمان میں ہیں" ۔ اس کے حروف کو اُلٹ کر پڑھو تب بھی "کل فی فلك" ہی عبارت بنے گی ۔

اردو میں جیسے لفظ "درد" کہ اُلٹ کر پڑھو تب بھی "درد" ہی بنے گا ۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

درد میں لوٹتا ہوں کس کو میرا درد ہے　　ہوں میں لفظ درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہے

تضمین : یہ ہے کہ شاعر اپنے شعر میں دوسرے شاعر کے شعر کا کچھ حصہ ذکر کرے اور اگر وہ شعر مشہور نہ ہو تو یہ بھی بتا دے کہ فلاں کا شعر یا مصرعہ ہے ۔ اسکی تین قسمیں ہیں :۔

۱ ۔ استعانت : یہ ہے کہ دوسرے شاعر کے پورے ایک شعر یا اس سے زائد کی تضمین کرے ۔ جیسے عبد القاہر تمیمی کے یہ شعر ؎

اذا ضاق صدری وخفت العدی　　تمثلت بیتا بما لی ملیق
فبالله ابلغ ما ارتجی　　وبالله ادفع ما لا اطیق

ترجمہ : جب میرا دل کثرت غم اور شدت حزن سے تنگ ہو جاتا ہے اور میں اپنے دشمنوں سے ڈرنے لگتا ہوں تو ایک ایسا شعر پڑھنے لگتا ہوں جو میرے حال کے مناسب ہے پس خدا کی قسم اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس مصیبت کو بھی دور پھینک دیتا ہوں جسے دور کرنے کی طاقت میرے اندر نہیں ہوتی۔

اس میں دوسرا شعر دوسرے شاعر کا ہے، جس کو تمیمی نے "تمثلت بیتا" کہہ کر بتا دیا ہے۔ اردو میں جیسے ناسخ کے یہ شعر ؎

اغیار کی جو سعی سے بالفرض جاؤں میں — واللہ ہو نگاہ میں مثل سقر بہشت
مجھ کو نوائے بلبل شیراز یاد ہے — کیا لکھنؤ کہ منہ نہ کروں ہو اگر بہشت
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت

۲۔ ایداع : یہ ہے کہ مصرعہ کی تضمین کرے۔ جیسے ؎

علی أنی سأنشد عند بیعی — اضاعونی وای فتیً اضاعوا

ترجمہ : علاوہ اس کے میں اپنے بیچے جانے کے وقت پڑھوں گا کہ مجھے لوگوں نے برباد کیا، اور کس جوان کو برباد کیا۔

اس میں دوسرا مصرعہ دوسرے شاعر کا ہے جس کو "سأنشد" سے بتا دیا کیونکہ "انشاد" کے معنی شعر پڑھنے کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد کا کلام دوسرے کا ہے۔ اردو میں جیسے سالک کا یہ شعر ؎

تنگدستی اگر نہ ہو سالک — تندرستی ہزار نعمت ہے

یہاں دوسرا مصرعہ میر کا ہے جو بہت مشہور ہے اسلئے ان کا نام ظاہر نہیں کیا۔

۳۔ رفو : یہ ہے کہ مصرعہ سے بھی کم کی تضمین ہو جیسے حریری کے شعر ؎

اشکو الی اللہ اشکاء المریض — ریب الزمان المتعدی البغیض

کے پہلے مصرعہ کو اس طرح کر دیا گیا ہے۔

ع اشکوا الی اللہ اشکاء الضریر

"ضریر" کے معنی "آفت زدہ" کے ہیں۔ حریری کے شعر کا ترجمہ یہ ہے :۔
"میں خدا سے زمانہ کے ظلم و حوادث کی بیمار کی طرح شکایت کرتا ہوں اور زمانہ تو بہت ہی ظالم اور مبغوض ہے"۔ اردو میں جیسے اکبر الٰہ آبادی کے شعر ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

کے دوسرے مصرعہ کو مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی دامت برکاتہم نے اس طرح کر دیا ہے۔

ع وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پا جاتے ہیں انعام

اقتباس : یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں قرآن مجید یا حدیث شریف کا کچھ حصہ لائے اس طرح پر کہ یہ نہ بتائے کہ یہ قرآن یا حدیث ہے۔ جیسے ؎

ان کنتِ قد ازمعتِ علی ھجرنا من غیر ما جرم فصبرٌ جمیل

وان تبدّلت بنا غیرنا فحسبنا اللہ و نعم الوکیل

ترجمہ : اگر تو نے ہمیں چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے بغیر کسی جرم کے تو صبر جمیل میرا کام ہے۔ اور اگر ہمارے بدلے دوسرے کو اختیار کیا ہے تو اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور بہتر کارساز ہے۔

اس میں "فصبر جمیل" اور "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" کا قرآن مجید سے اقتباس ہے۔ اور جیسے حریری کی یہ عبارت "قلتُ شاھت الوجوہ قبح اللُکعُ و من یرجوہ" "میں نے کہا چہرے خراب ہو جائیں اور کمینے کا اور اس سے امید رکھنے والے کا برا ہو"۔ اس میں "شاھت الوجوہ" حدیث شریف کا اقتباس ہے۔ اردو میں جیسے ؎

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی　　　وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

اس میں دوسرا مصرعہ قرآن مجید سے اقتباس ہے۔ اور جیسے ؎

سچ ہے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ اے ذوق　　　آنکھ اس کی دعا سے لڑتی ہے

اس میں حدیث پاک سے اقتباس ہے۔

تلمیح: یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا شعر یا قصہ یا کہاوت کی طرف اشارہ کرے جیسے ؎

فواللہ ما ادری ااحلام نائم　　　الّمت بنا ام کان فی الرکب یوشع

ترجمہ: پس خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ سونے والے کے خواب ہمارے پاس اُتر پڑے یا قافلہ میں حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔

اس شعر میں حضرت یوشع علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیلئے سورج روک لیا گیا تھا تاکہ وقت مغرب آنے میں دیر ہو اور اس سے پہلے وہ پوری فتح حاصل کرسکیں۔ اردو میں جیسے ؎

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے　　　ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہ کنعاں ہوگئیں

اس میں زنانِ مصر کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر بجائے لیموں کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

عقد: یہ ہے کہ نثر کو نظم بنا دیا جائے۔ جیسے ؎

ما بال مَن اوّلہ نطفۃ　　　وجیفۃ آخرہٗ یفخر

ترجمہ: کیا حال ہے اس کا جس کا آغاز نطفہ تھا اور انجام مردار، کہ وہ فخر کرتا ہے

اس شعر میں شاعر نے دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس ارشاد کو نظم کیا ہے "ما لابن آدم والفخر وانما اوّلہ نطفۃ وآخرہ جیفۃ" اردو میں جیسے ؎

سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا   وسیلہ ہے اب وہ سراسر ظفر کا

اس شعر میں "السفر وسیلۃ الظفر" (سفر کامیابی کا ذریعہ ہے) کی مشہور حکمت کو نظم کیا ہے۔

حل: یہ ہے کہ نظم کو نثر بنا دیا جائے جیسے "فانہ لما قبحت فعلاتہ وحنظلت نخلاتہ لم یزل سوء الظن یقتادہ ویصدق توھمہ الذی یعتادہ" "پس جب اس کے کرتوت بُرے ہوئے تو اس کے خرمے کے درختوں میں اندراین کے پھل آنے لگے تو برابر بدگمانی اس کو لے جاتی رہی اور وہ اپنے اس وہم کی تصدیق کرنے لگا جس کا وہ عادی تھا"

اس میں قائل نے ابوالطیب کے اس شعر کو حل کیا ہے ؎

اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونہ   وصدق مایعتادہ من توھم

اردو میں جیسے غالب کی یہ عبارت "بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، توریت کی قسم، زبور کی قسم" حل ہے انشاؔر کے اس شعر کا ؎

توریت کی قسم، قسم انجیل کی تجھے   تجھ کو قسم زبور کی، قرآن کی قسم

تنبیہ: ان سب صنائع وبدائع (محسنات معنویہ ولفظیہ) کی اصل یہ ہے کہ الفاظ معانی کے تابع ہوں، معانی الفاظ کے تابع نہ ہوں۔

متکلم کو خواہ وہ شعر کہنے والا ہو یا نثر کہنے والا، چاہیئے کہ کلام کو تین مقام پر خاص طور سے حسین بنانے کا اہتمام کرے۔ پہلا، ابتدا کا مقام، دوسرا، تخلص (گریز) کا مقام تیسرا انتہاء۔

حسن ابتداء: یہ ہے کہ متکلم کلام کے ابتدا میں شیریں کلمات، عمدہ ترکیبیں، صحیح معنی، بلند خیالات اور نازک معانی لائے۔ جیسے ؎

قصرٌ علیہ تحیۃٌ وسلامٌ   خلعتْ علیہ جمالہا الایّام

ترجمہ: وہ ایک ایسا محل ہے اس پر ہمیشہ تحیت وسلام ہو، جس کو زمانے نے اپنے حسن وجمال کا خلعت پہنا دیا۔ اردو میں جیسے ذوقؔ کے قصیدہ کے شروع کے یہ دو شعر ؎

ہے وہ جاں دارو کہ ہے نافعِ اعضاد حواس   کہ مردہ ہو زندہ تنِ بے حس حساس
قطرۂ مے سے ترقیٔ حواسِ خمسہ   یوں ہے جس طرح کہ اک نقطے سے ہوں پانچ پچاس

اور سب سے زیادہ پسندیدہ ابتدار وہ ہے جو براعۃ الاستہلال کے طور پر ہو۔

براعۃ الاستہلال: یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں ایسے الفاظ لائیں جو مقصود کے مناسب ہوں اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں۔ جیسے منطق کی مشہور کتاب "سلّم العلوم" کے ابتدار کی یہ عبارت "سبحانہ ما اعظم شانہ لا یحد ولا یتصور ولا ینتج ولا یتغیر، تعالیٰ عن الجنس والجہات، جعل الکلیات والجزئیات، الایمان بہ نعم التصدیق، والاعتصام بہ حبذ التوفیق،
اس میں حد، تصور، جنس، کلیات، جزئیات وغیرہ الفاظ اصطلاحات منطق کے مناسب ہیں اور انکی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اردو میں جیسے ذوقؔ کے اس قصیدہ کا مطلع جو غسل صحت کی مبارکباد میں ہے ؎

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم میں ہوا   مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ ہبا
اس میں معتدل، نبض، صحت وغیرہ الفاظ مقصود قصیدہ کے مناسب اور اسکی طرف مشیر ہیں۔

حسنِ تخلص: (تخلص کو اردو میں "گریز" کہتے ہیں) ابتدا میں جو عمدہ اور دلچسپ مضمون بیان کیا جاتا ہے اسکو "تشبیب" کہتے ہیں۔ اس ابتدائی کلام یعنی تشبیب سے مقصود کلام کی طرف منتقل ہونے کو اس مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے

جو تشبیب اور مقصود کلام میں ہے "حسن تخلص کہتے ہیں۔ جیسے ؎

یقول فی قومس قومی وقد اخذتْ　　منا السُّری وخُطی المهریة القُودِ

امطلع الشمس تبغی ان تؤم بنا　　فقلت کلا و لکن مطلع الجودِ

ترجمہ: رات کی سیر اور لمبی گردن اور ریٹھ والی اونٹنیوں کے قدم بڑھلانے نے جب ہمیں تھکا دیا اس وقت مقام قومس میں میری قوم کہنے لگی کیا سورج کا مطلع ہمارا ارادہ کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، جود وکرم کا مطلع ہمارا ارادہ کرتا ہے۔

شاعر اپنے ممدوح کی مدح کرنا چاہتا ہے چنانچہ "تشبیب" کے ساتھ ساتھ اس نے بیان کیا کہ رات ختم ہونے کو آئی اور طلوعِ آفتاب کا وقت ہو گیا پھر آگے تخلص (گریز) کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ نہیں، بلکہ جود وکرم کے آفتاب کا وقت طلوع نزدیک ہو گیا۔ پھر یہاں سے ممدوح کا ذکر شروع کر دیا۔ یہاں پر شاعر نے جس خوبی سے گریز کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ اردو میں جیسے سودا کے یہ شعر ؎

ہو جہاں کے شعراء کا مرے آگے سر سبز　　نہ قصیدہ، نہ مخمس، نہ رباعی، نہ غزل

ہے مجھے فیض سخن اس کی ہی مدّاحی کا　　ذات پر جس کی مبرہن کنہ ... ہے جلّ

اس میں شاعر تشبیب سے گریز کرتے ہوئے کہتا ہے "ہے مجھے فیض سخن" پھر اس کے بعد ممدوح کی مدح کا بیان شروع کر دیتا ہے۔ یہاں شاعر کے گریز کی ... ظاہر ہے

تشبیب: ابتدائے کلام میں عمدہ اور دلچسپ مضمون بیان کرنا۔

حسن انتہاء: یہ ہے کہ متکلم کلام کے آخر میں شیریں کلمات عمدہ ترکیب و ترتیب اور صحیح معنی لائے۔ جیسے ؎

وانی جدیر اذ بلغتک بالمنیٰ　　وانت بما املت منک جدیر

فان تولنی منک الجمیل فاهله　　والا فانی عاذر وشکور

ترجمہ: اور جب میں تمہارے پاس پہنچ گیا تو آرزوؤں کے لائق ہوں، یعنی اسکا مستحق ہوں کہ میرے مقاصد پورے ہوں۔ اور تو نے جو کچھ اپنی ذات سے امید دلائی تو اسکے لائق ہے۔ پس اگر تو اپنی بھلائی مجھے دے یعنی اپنی نعمتیں عطا کرے تو تو اس کا اہل ہے۔ اور اگر نہ دے تو میں تجھے معذور رکھنے والا ہوں اور تیرا شکر ادا کرنے والا ہوں۔ اردو میں جیسے ؎

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے بادلو! ہٹ جاؤ دیدو راہ جانے کے لئے

اور سب سے زیادہ پسندیدہ انتہا یہ ہے کہ آخر میں ایسا مضمون لائے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ کلام ختم ہو رہا ہے۔ اسکو "حُسن اختتام" کہتے ہیں۔

حسن اختتام: کلام کے آخر میں ایسا مضمون لانا جس سے معلوم ہو جائے کہ کلام ختم ہو رہا ہے

جیسے ؎ بقیت بقاء الدھر یا کھف اھلہ وھٰذا دعاءٌ للبریۃ شاملٌ

ترجمہ: اے اپنے لوگوں کی جائے پناہ! تو اتنی مدت تک باقی رہے جتنی مدت تک زمانہ باقی رہے اور یہ دعا اگرچہ بظاہر تمہارے لئے خاص ہے لیکن درحقیقت ساری مخلوق کیلئے عام ہے کیونکہ ساری مخلوق کی فلاح و بہبود تیری ذات سے وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دعا آخر ہی میں کیجاتی ہے اردو میں جیسے ؎

ذوق جو ہے ترا مداح محبِ یک رنگ ہنگ سے ہے ختم سخن دے کے دعا

جشن نوروز بہر رنگ بہ تاج اورنگ گلشنِ دہر میں ہر سال مبارک تجھکو

خسروا روز نئے رنگ فلک کے نیرنگ اور ترے اسد بدبیں کو دکھائیں لاکھوں

اس میں بھی دعا پر ختم کلام ہے اور ظاہر ہے کہ دعا آخر ہی میں کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق اور اس کی مدد سے حسن اختتام کی بحث پر کتاب بحسن و خوبی اختتام کو پہنچی۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

(۱) جناس

(۲) بتابع

(۳) تجنیس

(۴) ردّ

(۵) سا

بتائیے کہ ...

(۶) سجع کی تعریف کیجئے اور مثال دیکر واضح کیجئے اور بتائیے کہ اسکی کتنی قسمیں ہیں ؟

(۷) تشریع کی تعریف کیجئے اور مثال دیکر واضح کیجئے۔

(۸) سہ درد میں میں لوٹتا ہوں کسکو میرا درد ہے ہوں میں نقطۂ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے
بتلائیے یہ کسکی مثال ہے اور عربی میں اسکی کیا مثال ہے ؟

(۹) لزوم مالا یلزم کی تعریف مع مثال کیجئے۔

(۱۰) تضمین کی تعریف کیجئے اور بتائیے کہ اسکی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا اور انمیں سے ہر ایک کی تعریف کیا ہے ؟

(۱۱) اقتباس، تلمیح، حل اور عقد میں ہر ایک کی تعریف کیجئے۔

(۱۲) بتائیے متکلم کو کن تین مقامات پر خاص طور سے کلام کو حسین بنانے کا اہتمام کرنا چاہئے؟ ان مقامات کے نام مع تعریف بیان کیجئے۔

قد تم بحث علم البدیع و به تم الکتاب بعون اللہ تعالٰی فلہ الحمد حمداً لا نہایۃ لہ

احقر سید محمد غیاث الدین غفرلہٗ مظاہری

دوسونتی۔ سید آباد۔ الہ آباد۔

۱۱ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۸۰ء۔ یوم السبت